A-PDF Image To PDF Demo. Purchase from www.A-PDF.com to remove the watermark

Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیریز

محمود فاروق فرزانہ اور انسپکٹر جمشید

331

خون آلود ہاتھ

اشتیاق احمد

Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پانچ نمازیں اور جمعے سے لے کر جمعے تک اور رمضان تا رمضان، ان گناہوں کا کفارہ ہیں، جو ان کے درمیان ہوتے ہیں، جب کہ کبیرہ گناہوں سے بچا جائے۔

مسلم

۵

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا، وقت پر نماز پڑھنا۔ میں نے کہا، پھر کون سا؟ فرمایا، ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔ میں نے پوچھا، پھر کون سا؟ فرمایا، اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے یہ باتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائیں، اگر زیادہ پوچھتا تو زیادہ بتلاتے۔

بخاری، مسلم

دو باتیں

السلام علیکم!

خاص نمبروں کا معاملہ گڑبڑ ہوگیا۔ اور اس بات کا اندازہ کراچی سے موصول ہونے والے ایک خط سے ہوا۔ سازش کی جزئیات کی دو باتیں آپ کو یاد ہوں گی، اگر نہیں تو مہربانی فرما کر ناول نکالیے اور پہلے وہ دو باتیں پڑھ لیجیے۔ پھر یہ دو باتیں پڑھیے۔ ان دو باتوں میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ ملک میں ایک تعلیمی تبدیلی آرہی ہے۔ اس کو آپ تعلیمی تبدیلی کہہ سکتے ہیں، یعنی اب امتحانات دسمبر میں ہو جایا کریں گے۔ ان حالات میں یہ کیسے ممکن ہے کہ اس تبدیلی کا اثر ہمارے اس ادارے پر نہ پڑے، کیوں کہ امتحانات کی مناسبت سے سالانہ دو خاص نمبر شائع کیے جاتے رہے ہیں۔ اس طرح کہ تعلیمی تیاری میں ان کو کوئی رکاوٹ نہ پیدا ہو سکے۔۔۔ ۲۰ جون اور ۲۰ دسمبر۔۔۔ یہ دو ماہ مقرر تھے خاص نمبروں

کے لیے۔ لیکن اس تبدیلی کے پیچھے نظر "سازش
کی جڑیں" میں اعلان کیا گیا کہ ہر سال خاص نمبر
۲۰ اپریل اور ۲۰ اکتوبر کو شائع کیے جایا کریں
گے۔

لیکن — کراچی سے موصول ہونے والے خط
نے پورے ادارے کو پریشان کر دیا — خط لکھنے والے
قاری نے اطلاع دی ہے کہ سازش کی جڑیں کی
دو باتیں پڑھ کر نئی تبدیلی کا پتا چلا، لیکن ہمارے
صوبے میں تو امتحانات اسی طرح مارچ میں ہوں
گے۔ یہ خط پڑھ کر مجھے اپنی عقل پر رونا آیا کہ میں
نے یہ تصدیق کیوں نہ کی کہ یہ نئی تبدیلی صرف
صوبہ پنجاب کی حد تک لائی گئی ہے — ملکی سطح
پر نہیں —

اب لگے مجھے چکر پر چکر آنے — اگر باقی صوبوں
میں امتحانات اسی طرح ہونے ہیں — تو پھر میں بھلا
سال کا دوسرا خاص نمبر ۲۰ اکتوبر کو کس طرح شائع
کر سکتا ہوں — جب کہ امتحانات میں صرف
ڈیڑھ ماہ کے قریب عرصہ باقی ہو — اس مسئلے پر غور
کیا گیا — آخر یہ بات ذہن میں آئی کہ پنجاب

میں امتحانات دسمبر میں ہو جایا کریں گے — لہٰذا
اگر ۲۰ دسمبر کو ہی خاص نمبر آ جایا کرے تو کوئی
حرج واقع نہیں ہو گا، کیوں کہ ۲۰ تاریخ تک
امتحانات ہو چکے ہوتے ہیں، بقیہ دس دن میں
تو نتیجہ تیار کیا جاتا ہے — اور اس لحاظ سے پہلا
خاص نمبر ۲۰ جون کو ہی ٹھیک رہا کرے گا —
گویا خاص نمبر اپنی چال بھول گئے تھے —
امتحان کی چال چل بیٹھے تھے، لیکن صبح کا بھولا
شام کو گھر لوٹ آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے —
لہٰذا آپ خاص نمبروں کو صبح کا بھولا کہنے کی ہرگز
کوشش نہ کیجیے گا —

مطلب یہ ہوا کہ جو خاص نمبر دسمبر میں شائع
ہونا تھا — وہ اکتوبر میں شائع ہو گیا — اب ۲۰ اپریل
کو باری تھی ۲۰ جون والے خاص نمبر کی — لیکن
اس حیرت انگیز پریشانی کے بعد حل یہ نکالا کہ
اب پھر پہلے کی طرح ۲۰ دسمبر کو خاص نمبر
پیش کیا جائے گا — تاکہ آئندہ خاص نمبر وقت پر
۲۰ جون کو شائع ہو سکے —
آپ ان پے در پے تبدیلیوں سے پریشان تو

ہو رہے ہوں گے اور شاید آپ مجھے کوس رہے ہوں —
اور مجھے برا بھلا بھی کہ رہے ہوں گے، لیکن میں
کتنے فی صد قصور وار ہوں، یہ اندازہ آپ خود لگا سکتے
ہیں، چونکہ ۳۰ دسمبر کو خاص نمبر "ثبوت کی تلاش"
شائع کیا جا رہا ہے، جس کی جھلکیاں آپ اس ناول
کے آخر میں پڑھ سکیں گے —

اور ہاں! لگے ہاتھوں ایک چھوٹی سی خوشخبری
بھی سن لیں — ۳۰ جون والا خاص نمبر — ایک
بار پھر مجھے ضخامت کی طرف کھینچ لے گیا ہے —
ناول تین سو خاص نمبروں کے برابر بن گیا
ہے — گویا ایک بار پھر آپ ۸۰۰ صفحات کا ناول
پڑھنے کی تیاری کر لیں — اس لحاظ سے
اس کی قیمت بھی ۴۰/- روپے کے قریب ہو
گی — خریدنے کی تیاری ابھی سے شروع کر
دیں، بلکہ اپنی کا پیسہ محفوظ کرنا شروع کر دیں،
کیونکہ جب سے میں نے خاص نمبروں کا سلسلہ
شروع کیا ہے — آپ لوگ برابر موٹے تازے
خاص نمبر کا مطالبہ کرتے رہے ہیں — اور میں

کمی کرتا رہا ہوں — لیکن اس بار ناول کا
پلاٹ مجھ سے چال چل گیا — او ہو — یہ دو باتیں
تو ایک منٹ خاص نمبر کی ہیں — ذکر آئندہ خاص
نمبر کی — پہلے یہ باتیں اس ضخیم خاص نمبر کی
دو باتیں میں زیب دیں گی — آپ ذہنی اور
عملی طور پر تیاری کر لیں — شکریہ!

اشتیاق

Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ

- یہ وقت نماز کا تو نہیں —
- آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا —
- کیا آپ کا کوئی ٹیسٹ یا امتحان تو نہیں —
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا —
- آپ سے آپ کے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں کہا [illegible]

[illegible] شکریہ!

مخلص

اشتیاق احمد

9/96

وہ تصویر

"ہیلو جمشید — مزا آ گیا — فوراً — خان رحمان کو بھی لے آنا — میں اور لوگوں کو بھی فون کر رہا ہوں۔"

پروفیسر داؤد کی آواز میں جوش تھا، چہکی تھی — اور انھوں نے یہ الفاظ بہت جلدی جلدی کہے تھے۔ ساتھ ہی انھوں نے ان کی طرف سے کوئی جواب سنے بغیر ریسیور رکھ دیا —

"چلو بھئی — تمہارے پروفیسر انکل نے فوری طور پر ہمیں بلایا ہے — اور تمہارے انکل کو بھی — ٹھہرو — میں انھیں فون کر دوں — تاکہ وہ ہمیں تیار ملیں۔" یہ کہہ کر وہ فون کرنے لگے —

ریسیور رکھتے ہی انھوں نے باہر کا رخ کیا — محمود، فاروق اور فرزانہ پہلے ہی اٹھ چکے تھے —

"وہ اس چائے کا کیا بنے گا — جو میں تیار کر چکی ہوں۔"

سے بیگم جمشید کی آواز سنائی دی۔

"اپنے حصے کی تم پی لینا، ہمارے حصے کی چائے ہمارا انتظار کرے گی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

وہ بڑا سا منہ بنا کر رہ گئیں۔ کوئی نئی بات تو تھی نہیں، یہ تو اس گھر کا معمول سا بن گیا تھا۔ آندھی اور طوفان کی طرح وہ خان رحمان کے گھر پہنچے۔ وہ اپنی کار میں بالکل تیار بیٹھے تھے، دیکھتے ہی بولے:

"ایک کار میں چلیں یا دو میں۔"

"جب ایک کار میں کام چل سکتا ہے تو پھر دوسری کی کیا ضرورت ہے۔" یہ کہہ کر وہ لوگ اتر آئے اور ان کی کار میں بیٹھ گئے۔

اب خان رحمان کی کار پروفیسر داؤد کی تجربہ گاہ کی طرف رواں دواں ہو گئی:

"معاملہ کیا ہے؟" وہ بولے۔

"پروفیسر صاحب نے بھی رنگ پکڑ لیا ہے۔ پراسراریت پھیلانے لگے ہیں۔ صرف اتنا کہا تھا۔ ہیلو جمشید، مزا آ گیا، فوراً خان رحمان کے ساتھ یہاں پہنچ جاؤ۔ بھلا میں اس بات سے کس بات کا اندازہ لگا سکتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"جب کہ آپ اندازے لگانے میں بہت ماہر ہیں۔ ابا جان ایسا تو نہ کہیے۔ کچھ تو اندازہ لگائیے۔"

"اندازہ۔ وہ تو خیر میں لگا چکا ہوں۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ میرا اندازہ درست ثابت ہو۔"

"یہ بات تو آپ ہر مرتبہ کہتے ہیں۔ لیکن اندازہ درست ہی ثابت ہوتا ہے۔" محمود مسکرایا۔

"خیر سن لو۔ میرا اندازہ ہے۔ پروفیسر داؤد نے کوئی بہت ہی شاندار چیز دریافت کی ہے۔ یا کوئی چیز ایجاد کر ڈالی ہے، اور وہ ایسی ہی چیز ہے کہ فوری طور پر ہمیں دکھانا چاہتے ہیں۔"

"ہوں! یہی بات ہو سکتی ہے۔ ویسے میرا اندازہ اور ہے۔" فرزانہ بول اٹھی۔

"وہ فرزانہ ہی کیا جو اندازہ نہ لگائے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"تین میں نہ تیرہ میں۔ بولو گے ضرور۔" محمود نے تیز لہجے میں کہا۔

"تین میں تو خیر میں ہوں۔ دیکھ لو۔" فاروق چہکا۔

"تم کیا کہہ رہی تھیں فرزانہ۔" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"پچھلے دنوں پروفیسر انکل نے ایک عجیب و غریب تصویر

خریدی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ وہ تصویر ضرور تاریخی قسم کی ہے، ہو سکتا ہے، اس تصویر کے بارے میں انھیں کوئی خاص بات معلوم ہو گئی ہو۔ اور وہ خاص بات مزے دار قسم کی بات بھی ہو۔"

"اس بات کا بھی امکان ہے۔ لیکن بھئی۔ ہمیں اس تصویر کے بارے میں کیسے معلوم نہیں۔" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"مجھے یہ بات شائستہ نے بتائی تھی۔ یہ کوئی ایسی اہم اور خاص بات نہیں تھی کہ پروفیسر آپ کو بتاتے۔ یا شائستہ سے سُن کر میں آپ کو بتاتی۔"

"خیر کوئی بات نہیں۔ ہم تجربہ گاہ کے نزدیک پہنچ ہی چکے ہیں۔ ابھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اصل بات کیا ہے۔"

"ویسے ابا جان۔ پروفیسر انکل کے لہجے سے پریشانی تو نہیں جھلک رہی تھی۔" فرزانہ بولی۔

"نہیں بھئی۔ وہ تو بہت خوش معلوم ہو رہے تھے۔"

"بھئی جمشید۔ مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔" خان رحمان بول اٹھے۔

"ہائیں انکل یہ ڈر، کار میں کہاں سے آ گھسا؟" فاروق

کے لہجے میں حیرت تھی۔

"مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ کوئی چکر شروع ہونے والا ہے۔"

"آپ چکر کے شروع ہونے سے ڈر رہے ہیں انکل۔ کمال ہے۔ چکروں کا اور ہمارا تو ویسے ہی چولی دامن کا ساتھ ہے۔" محمود مسکرایا۔

"اور کیا چکر وکر سے ڈرنے والا تو بس یہاں فاروق ہے۔" فرزانہ نے شریر لہجے میں کہا۔

"جھوٹ۔ بالکل جھوٹ۔ ابا جان وضاحت کریں گے۔ میں ڈرتا ہوں یا نہیں۔"

"ڈرنے اور پریشان ہونے کی ایکٹنگ ضرور کرتے ہو۔" وہ بولے۔

"تو ابا جان! یہ ڈرنا تو نہیں ہوا نا۔" وہ شوخ آواز میں بولا۔

"لو ہم پہنچ گئے۔ ارے یہ کیا۔ تجربہ گاہ کا بڑا دروازہ تو چوپٹ کھلا ہوا ہے۔ جب کہ یہ ہر وقت بند رہتا ہے۔" وہ چونک اٹھے۔ پھر خود ہی بولے۔

"اوہ ہاں! پروفیسر صاحب نے کہا تھا کہ وہ کچھ اور لوگوں کو بھی فون کر رہے ہیں۔ ضرور کچھ لوگ ہم سے

پہلے یہاں پہنچ چکے ہیں۔"

وہ کار اندر ہی لے گئے۔ لیکن پھر ان کی آنکھوں میں
الجھن تیر گئی۔ اندر کسی ملاقاتی کی کار موجود نہیں تھی۔
گیٹ پر چوکیدار بھی موجود نہیں تھا۔

"یا اللہ۔ ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔" انسپکٹر جمشید یہ کہہ کر
دوڑ پڑے۔

"وہی ہوا، جس کا ڈر تھا۔" خان رحمان بولے۔

بوکھلاہٹ کے عالم میں وہ تجربہ گاہ تک پہنچے۔ اور
پھر ان پر یہ حیرت انگیز حقیقت کھلی کہ تجربہ گاہ میں کوئی
شخص بھی موجود نہیں تھا۔ نہ پروفیسر داؤد۔ نہ شائستہ۔
نہ ان کے تینوں نائب۔ نہ ملازم نہ چوکیدار۔ انھوں نے
دوڑ دوڑ کر تمام کمرے دیکھ ڈالے۔ پوری تجربہ گاہ کو
کھنگال ڈالا۔ اس دوران انھوں نے یہ احتیاط ضرور کی تھی
کہ کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ نہ ادھر ادھر کیا تھا۔

ادھر ادھر سے دیکھ لینے کے بعد وہ سب تجربہ گاہ
میں آ گئے۔ اب انھوں نے غور سے ہر چیز کا جائزہ
لینا شروع کیا، ہر چیز اپنی جگہ پر نظر آئی۔ کہیں کسی بے
ترتیبی کے آثار نہیں تھے۔ کھانے کی میز پر ایک جگ
میں کچھ چائے موجود تھی۔ چھے کپ رکھے تھے؛ ہر کپ میں
تھوڑی چائے موجود تھی۔ جگ کی چائے ابھی تک گرم تھی۔
اسی میز پر پروفیسر صاحب کی عینک رکھی تھی۔ میز کے
گرد کرسیاں بھی اس وقت بچھی ہی تھیں۔ کرسیوں کے
نیچے پاؤں کے نشانات کا بھی خوب غور سے جائزہ لیا گیا۔
پھر وہ باہر آئے اور نیچے اتر کر گیراج تک پہنچے، گیراج
میں کار موجود تھی۔ البتہ کار پارک میں ایک بڑی گاڑی کے
ٹائروں کے تازہ نشانات موجود تھے۔ ان نشانات کے
پاس ہی ایک سگریٹ کا بجھا ہوا ٹکڑا پڑا تھا۔ اس
ٹکڑے کو احتیاط سے اٹھا لیا گیا۔ اس جگہ بھی قدموں کے
نشانات موجود تھے۔

وہ ایک کونے میں آ کر کرسیوں پر بیٹھ گئے:

"ہاں محمود! کیا اندازہ لگایا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور
ساتھ ہی فاروق کو اشارہ کیا، وہ نوٹ بک سنبھال کر
بیٹھ گیا، گویا تمام اندازے اسے نوٹ کرنا تھے:

"کوئی شخص پروفیسر صاحب سے ملنے کے لیے آیا تھا۔
وہ کافی اہم آدمی تھا۔ ورنہ بے وقت اس کے ساتھ چائے
نہ پی جاتی۔ اس کی آمد بھی اچانک ہوئی تھی۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ اچانک آیا تھا، ہو سکتا
ہے۔ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت آیا ہو۔"

فاروق بولا۔

"اس صورت میں چائے کے ساتھ کچھ اور چیزیں بھی نظر آتیں، لیکن ہم دیکھ چکے ہیں، میز پر چائے کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں رکھی گئی تھی — اور ہم یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ پروفیسر صاحب بازار کی چیزیں استعمال نہیں کرتے — کھانے پینے کی ہر چیز گھر میں تیار کرائی جاتی ہے۔"

"ہوں چلو ٹھیک ہے — یہ بات مان لیتے ہیں کہ آنے والا اچانک آیا تھا اور کوئی اہم آدمی تھا — آگے چلو۔"

"پروفیسر صاحب، شائستہ اور ان کے تینوں نائبوں نے اس کے ساتھ چائے پی۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"اور پھر وہ پانچوں کرسیوں پر ہی بے ہوش ہو گئے — کیونکہ ملاقاتی نے چائے میں بے ہوشی کی دوا ملا دی تھی — یہی وجہ ہے کہ وہ آسانی سے انھیں لے جانے میں کامیاب ہو گیا۔"

"لیکن اس نے ملازم اور چوکیدار کو کس طرح بے ہوش کیا — نیچے بھی کسی گڑبڑ کے آثار نہیں ہیں۔" فرزانہ بولی۔

"وہ کوئی طاقت ور آدمی تھا — ان پانچوں کو بے ہوش

کر کے باورچی خانے میں گیا — باورچی کو بتایا کہ چائے میں نہ جانے کیا تھا — وہ پانچوں چائے پی کر بے ہوش ہو گئے ہیں — باورچی بے چارہ خوف زدہ ہو کر باہر نکلا ہو گا — لیکن اس نے اس کی ناک پر کلوروفارم کا رومال رکھ دیا — اس طرح وہ بھی بے ہوش ہو گیا — چوکیدار کے ساتھ بھی اس نے یہی کیا ہو گا — کیا خیال ہے۔" یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

"ٹھیک ہے — اب فاروق کی باری ہے — محمود اس کے خیالات تم نوٹ کر لو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"شکریہ ابا جان —" فاروق جلدی سے بولا پھر نوٹ بک اور قلم محمود کی طرف سرکاتے ہوئے اس نے کہا:

"وہ کوئی بہت طاقتور آدمی تھا۔"

"یہ کیسے کہا جا سکتا ہے —" خان رحمان حیران ہو کر بولے۔

"اس طرح کہ وہ اکیلا تھا، لیکن اس نے سات آدمیوں کو کندھے پر اٹھا کر اپنی گاڑی تک پہنچایا — ایک کمزور آدمی تو اتنا کام نہیں کر سکتا۔"

"ہوں خیر — آگے کہو۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"پروفیسر صاحب کے ہاں سگریٹ پینے والا آدمی ملازمت نہیں کر سکتا، لہذا ملاقاتی سگریٹ پینے کا عادی بھی تھا — بلکہ

بہت عادی، کیونکہ اس واردات کے دوران بھی اس نے سگریٹ پیا۔
اور یہ بے احتیاطی کر گیا کہ سگریٹ کا ٹکڑا فرش پر گرا گیا۔"

"اور کچھ۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میرے خیال میں تو میں اپنے حصے کی باتیں بتا چکا ہوں۔"
فاروق بولا۔

"رہ گئی ہیں — میرے لیے اگرچہ ان دونوں نے بتانے
کے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑا، پھر بھی میں کچھ کہوں گی ضرور۔"
فرزانہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو روکا کس نے ہے۔" محمود نے جل کر کہا۔

"وہ جو کوئی بھی تھا — جلدی میں تھا — اس نے یہ
سب کام بہت تیزی سے کیا، شاید اسے معلوم تھا کہ
پروفیسر صاحب نے کچھ لوگوں کو بلایا ہوا ہے اور وہ آنے
ہی والے ہیں۔"

"یہ اندازہ کس بات سے لگایا تم نے۔" خان رحمان نے پوچھا۔

"پروفیسر صاحب کے فون کرنے کے ٹھیک ایک گھنٹے بعد
ہم یہاں پہنچے ہیں — گویا اس نے یہ کام ایک گھنٹے سے بھی
کم وقت میں کیا — اور زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ
ملاقاتی ہمیں فون کرنے کے بعد آیا تھا — دوسرے یہ کہ فرش
پر اس کے قدموں کے نشانات دیکھ کر بھی یہ اندازہ لگ

سکتا ہے — آدمی جب جلدی میں ہوتا ہے تو لمبے لمبے قدم
اٹھاتا ہے۔"

"ہاں! یہ وزنی بات ہے۔" انسپکٹر جمشید نے سر ہلایا۔

"اب سوال یہ ہے کہ اس نے پروفیسر صاحب وغیرہ کو
کیوں اغوا کیا، اسے ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" خان
رحمان بولے۔

"یہ بات ہمیں معلوم کرنا ہے اور ساتھ ہی اس جگہ کو تلاش
بھی کرنا ہے — جہاں انھیں لے جایا گیا ہے۔"

"اور وہ مزے دار بات کیا تھی — جو پروفیسر صاحب ہمیں
بتانا چاہتے تھے۔" فرزانہ نے کہا۔

"ہوں — ہو سکتا ہے — اس مزے دار بات کے لیے انھیں
اغوا کیا گیا ہو گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تب پھر باقی لوگوں کو اغوا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"
محمود نے کہا۔

"ہو سکتا ہے — وہ مزے دار بات پروفیسر صاحب اپنے
ساتھیوں کو بتا چکے ہوں — لہٰذا اغوا کرنے والے نے انھیں
بھی ساتھ لے جانا ہی مناسب خیال کیا ہو۔"

"معاملہ کافی الجھا ہوا سا ہے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"ارے ہاں! اس کو تو ہم بھول ہی گئے۔" محمود چونکا۔

اسے گھورا۔

کس طرف اشارہ ہے بھئی؟" فاروق نے
"فرزانہ نے بھی ایک چیز کے بارے میں بتایا تھا — اور
اسے شائستہ نے بتایا تھا:
"اوہ ہاں! وہ تصویر — واقعی ہم اسے تو بھول ہی گئے — فرزانہ۔
شائستہ نے کیا بتایا تھا:
"اس نے کہا تھا — ابو ایک بہت ہی عجیب تصویر کہیں سے خرید
کر لائے ہیں — اور ان کا خیال ہے کہ وہ تصویر تاریخی قسم کی
تصویر ہے۔"
"اس قسم کی تصویر اگر گھر میں موجود ہے تو یہ معاملہ اس تصویر
سے کوئی تعلق نہیں رکھتا — لہٰذا پہلے ہمیں تصویر کو تلاش کرنا
چاہیے۔" انسپکٹر جمشید نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔
"بہت بہتر!" تینوں نے ایک ساتھ کہا اور اچھل کر کھڑے ہوئے۔
انسپکٹر جمشید اور خان رحمان بھی بیٹھے نہیں رہے — تصویر کی تلاش
میں انھوں نے بھی بھرپور حصہ لیا — پوری تجربہ گاہ اور رہائشی حصے
کو چھان مارا گیا — لیکن انھیں کوئی تصویر نہ مل سکی — گھر میں اور
تجربہ گاہ میں جو تصاویر موجود تھیں — وہ پہلے ہی ان کی دیکھی
بھالی تھیں —

اب تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی، کیونکہ یہ ایک بہت
عجیب بات تھی۔

چلے جائیے

"تصویر کا نہ ملنا بہت عجیب بات ہے، کیا یہ سارا ہنگامہ اس
تصویر کے لیے ہوا —" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔
"اس صورت میں تو اس پر اسرار شخص کو چاہیے تھا کہ
صرف تصویر لے جاتا — اکٹھے سات افراد کو لے جانے کی کیا
ضرورت تھی۔" فاروق نے جل کر کہا۔
"اس صورت میں ہمیں تصویر کے بارے میں تمام باتیں معلوم
ہو جاتیں، جب کہ اس وقت ہم کچھ بھی نہیں جانتے — یہ تک
نہیں جانتے کہ پروفیسر صاحب نے تصویر کہاں سے خریدی تھی
اور تصویر کس قسم کی تھی —" محمود نے کہا۔
"لیکن ایک بات اس پر اسرار آدمی کو بھی معلوم نہیں
ہو گی — اور وہ بات ہمارے کام آ سکتی ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔
"کیا مطلب — کون سی بات؟"
"پروفیسر انکل کی ایک خاص عادت ہے — جب بھی بازار

سے کوئی چیز خریدتے ہیں، رقم کی ادائیگی نقد نہیں کرتے۔
چیک کاٹ کر دیتے ہیں اور چیک بھی اس دکان کے
نام کا کاٹتے ہیں۔"

"وہ مارا۔" خان رحمان اچھل پڑے۔

"جلدی چلو۔ کہیں پر اسرار آدمی بھی پروفیسر صاحب سے
یہ بات معلوم نہ کر چکا ہو اور بنک کا رخ نہ کر ڈالے۔" انسپکٹر
جمشید نے گھبرا کر کہا۔

وہ دوڑ کر باہر نکلے۔ تجربہ گاہ کا دروازہ بند کیا اور کار
میں بیٹھ کر ہوا ہوگئے۔ انھیں یہ بات معلوم تھی کہ پروفیسر
داؤد کا اکاؤنٹ کون سے بنک میں ہے۔ بنک منیجر بھی
انھیں اچھی طرح پہچانتا تھا۔ اس نے گرم جوشی سے ان کا
استقبال کیا:

"خیریت تو ہے۔" اس نے قدرے حیران ہو کر کہا۔

"اس ماہ کے دوران پروفیسر صاحب نے جتنے چیک لوگوں
کو دیے ہیں، ان کی تفصیل جاننا چاہتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے

"بہت بہتر۔ ابھی لیجیے۔"

منیجر نے اپنے ایک ماتحت کو بلا کر ہدایات دیں۔ وہ
جلد ہی ایک فائل لے آیا:

"اس میں پورے ایک ماہ کے چیک فائل کیے گئے ہیں۔"

انھوں نے تمام چیکوں کو پڑھنا اور نوٹ کرنا شروع کیا۔
ایک چیک نیشنل آرٹ گیلری کے نام کا بھی تھا۔

"میرا خیال ہے۔ وہ یہی چیک ہو سکتا ہے۔" محمود بڑبڑایا۔

"ہاں، لیکن ہم نے احتیاطاً باقی چیکوں پر لکھے کاروباری
مراکز کے نام بھی لکھ لیے ہیں۔ سب سے پہلے ہم نیشنل
آرٹ گیلری میں جائیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

منیجر کا شکریہ ادا کر کے، اسے حیرت زدہ سا چھوڑ کر
وہ بنک کی عمارت سے نکل آئے۔ جلد ہی وہ نیشنل آرٹ
گیلری کے سامنے کھڑے تھے۔ انھوں نے پہلے تو باہر
رہ کر عمارت کا جائزہ لیا، پھر آگے بڑھے۔ یہ ایک بہت بڑی
عمارت تھی۔ ایک ملازم نے ان کی فرمائش پر انھیں عمارت
کے منیجر تک پہنچایا۔ منیجر نے حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا:

"آپ لوگ میرے پاس کس لیے آئے ہیں۔ تصاویر سے
دلچسپی ہے تو اس کے لیے تو گیلری میں جائیں۔"

"اس چیک کو دیکھیے۔ یہ آپ کے ادارے کے نام
کاٹا گیا ہے۔"

"جی ہاں! یہ ٹھیک ہے تو پھر؟"

"ہم جاننا چاہتے ہیں۔ اس چیک کے عوض کیا چیز خریدی
گئی تھی۔"

"ابھی بتائے دیتا ہوں — یہ کیا مشکل بات ہے —" یہ کہ کر
اس نے گھنٹی بجائی — ایک ملازم اندر داخل ہوا۔
"اس چیک کے مطابق رجسٹر اور متعلقہ آدمی کو ساتھ
لے آؤ۔"
"او کے سر" اس نے کہا اور باہر نکل گیا۔
جلد ہی ایک رجسٹر اور ایک آدمی کمرے میں موجود تھے۔
"اس چیک کا کیا چکر ہے — ہمارے ہاں سے کیا چیز
اس چیک کے بدلے میں فروخت کی گئی ہے —" منیجر
نے پوچھا۔
"میں ابھی بتاتا ہوں جناب"
یہ کہ کر اس نے رجسٹر کھولا۔ چیک پر لکھی تاریخ دیکھی
اور پھر اس نے کہا:
"چیک لکھنے والے پروفیسر داؤد تھے — انھوں نے ہم
سے ایک تصویر خریدی تھی۔"
"اور کچھ جناب" منیجر نے ان کی طرف دیکھا۔
"یہ بات تو ہمیں پہلے ہی معلوم ہے" انسپکٹر جمشید مسکرائے
"تو پھر —؟"
"پھر یہ کہ — یہ تصویر کس قسم کی تھی — ہمیں تو یہ
معلوم کرنا ہے۔"

"کیوں بھئی — تصویر کے بارے میں کیا درج ہے" منیجر بولا۔
"تصویر ایک ابرام خاں نامی آدمی لے کر آیا تھا، اس کا
کہنا تھا کہ اس نے ایک حویلی خریدی تھی — اسے گرا کر
اس پر ایک کوٹھی بنانے کا ارادہ تھا — یہ تصویر اس کوٹھی
کے ایک کمرہ میں لگی تھی — اس نے سوچا — یہاں فروخت
کر دے — اس کے کام کی تو ہے نہیں — چنانچہ ہم
نے صرف دو سو روپے میں وہ تصویر خرید لی تھی اور
اس کی صفائی کرانے کے بعد گیلری میں رکھوا دیا تھا۔"
"اور آپ نے — پروفیسر صاحب کے ہاتھ وہ دس ہزار
میں فروخت کی" خان رحمان حیران رہ گئے۔
"یہ کاروبار تو ایسا ہی ہے جناب — کبھی کبھار تو ایسا بھی
ہوتا ہے کہ ہم کوڑیوں کے مول کوئی تصویر خریدتے ہیں اور
ہمیں اس کے لاکھوں روپے مل جاتے ہیں" منیجر نے بتایا۔
"ہوں، پھر اس تصویر میں کیا تھا — ہم یہ بھی جاننا
چاہتے ہیں۔"
"آخر بات کیا ہے" منیجر نے الجھن کے عالم میں کہا۔
"بات یہ ہے — چلو میں آپ کو بتا دیتا ہوں — پروفیسر داؤد
ملک کے سب سے بڑے سائنس دان ہیں — انھوں نے آپ
کی گیلری میں وہ تصویر دیکھی اور خرید کر گھر لے گئے — لیکن

آج کچھ دیر پہلے اٹھے اور ان کی تجربہ گاہ میں موجود تمام لوگوں کو اغوا کر لیا گیا ہے۔ اور ساتھ میں وہ تصویر بھی غائب ہے۔"

"یہ۔ یہ آپ کیا کہ رہے ہیں" وہ دھک سے رہ گئے۔

"اغوا سے پہلے پروفیسر صاحب نے ہمیں فون کیا تھا اور فوراً بلایا تھا۔ وہ ہمیں کوئی خاص چیز دکھانا چاہتے تھے۔ لہذا ہم ان کی تجربہ گاہ پہنچے۔ لیکن وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ اس تصویر کے بارے میں چند دن پہلے ان کی بیٹی نے فون کیا تھا کہ ابو بازار سے ایک بہت عجیب تصویر لے کر آئے ہیں۔ ہم نے جب تجربہ گاہ اور رہائشی حصے میں تصویر کو تلاش کیا تو وہاں کوئی تصویر نہیں تھی۔ ایسے میں یاد آیا کہ پروفیسر صاحب رقوم کی ادائیگی بذریعہ چیک کرنے کے عادی ہیں۔ اس طرح ہم یہاں تک پہنچے۔ اب آپ صرف یہ بتا دیں کہ آخر وہ تصویر کس قسم کی تھی۔"

"کیوں بھئی۔ صفائی کرانے کے بعد گیلری میں بھی تم نے رکھوائی تھی۔" منیجر نے ملازم سے پوچھا۔

"جی ہاں جناب۔ وہ واقعی ایک عجیب تصویر تھی۔ اس کا فریم بہت وزنی تھا۔ نہ جانے کس دھات کا بنا ہوا تھا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سونے کا بنا ہوا ہے۔ اسی

شک کی وجہ سے میں نے ایک سنار سے اس کو چیک بھی کرایا تھا۔ اس نے کہا کہ یہ سونے کا تو خیر نہیں ہے۔ کس دھات کا ہے۔ یہ وہ بھی نہیں بتا سکتا۔ تصویر ہاتھ کی بنائی ہوئی تھی اور کسی بہت ماہر کاری گر نے بنائی تھی۔ اگرچہ کافی پرانی تھی۔ لیکن رنگ ابھی تک قائم تھے۔ تصویر میں ایک نوجوان دکھایا گیا تھا۔ اس کے سر پر ایک پگڑی تھی، اس کا لباس بھی سنہری تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک تلوار تھی۔ خون آلود تلوار۔ اس کے چہرے پر انتہائی غصے کے آثار تھے۔ وہ ایک مسہری کے قریب کھڑا تھا۔ ایک شاہی مسہری کے قریب۔ مسہری سے ایک خون آلود ہاتھ لٹک رہا تھا۔ ہاتھ سے خون بہ کر فرش پر گر رہا تھا۔ فرش پر شیشے کی ایک گیند سی موجود تھی۔ وہ بھی خون آلود ہو چکی تھی۔ بس جناب یہ تھی تصویر۔"

"تصویر واقعی بہت عجیب ہے۔ اور پروفیسر صاحب کچھ سوچ کر ہی اسے لے گئے ہوں گے۔ آپ ہمیں ابرام خاں کا پتا تو بتا ہی سکتے ہیں؟"

"ہاں جناب کیوں نہیں۔ ہم اپنے ہر خریدار اور فروخت کنندہ کا پتا ضرور لکھتے ہیں۔ ابرام خاں ۳۶۵ رحمان کالونی

یں رہتے ہیں — وہ لمبے قد کے نوجوان آدمی ہیں — سر
سفید رنگ کے۔"

"شکریہ — ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے — ہم نے
آپ لوگوں کو زحمت دی۔"

"نہیں جناب — کوئی بات نہیں۔"

وہ باہر نکل کر رحمان کالونی کی طرف روانہ ہوئے۔

"تصویر کی جو تفصیل بتائی گئی ہے، اس سے ظاہر
ہوتا ہے کہ وہ بہت خوفناک تھی — شاید اس شہزادی
نے کسی کو قتل کیا تھا — لیکن اسے قتل کرتے وقت کسی
آرٹسٹ نے دیکھ لیا تھا — بس اس نے اس منظر کی
تصویر بنا ڈالی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"وہ تو خیر ٹھیک ہے — سوال یہ ہے کہ اس تصویر
سے پروفیسر صاحب کے اغوا کا کیا تعلق ہے۔" فاروق
نے جھنجلا کر کہا۔

"مجھے ایک بات سوجھی ہے — قتل کی واردات واقعی ہو
تھی — لیکن قاتل پکڑا نہیں گیا تھا — کسی آرٹسٹ نے د
تصویر بنائی — قاتل نے شاید اسے بھی ختم کر دیا — لیکن تص
قاتل کو نہ مل سکی — اتفاق کی بات کہ وہ تصویر اس
حویلی میں موجود تھی — حویلی کے نئے مالک نے اسے فروخ

کر دیا — کسی طرح قاتل کو تصویر کے بارے میں معلوم ہو گیا —
اس طرح وہ پروفیسر انکل تک جا پہنچا —" فرزانہ نے جلدی
جلدی کہا۔

"نہایت بھونڈا خیال ہے تمہارا — قاتل آرٹسٹ تک پہنچ
سکتا تھا تو تصویر تک کیوں نہیں پہنچا — اور ادھر تصویر
حویلی سے باہر نکلی — ادھر اسے پتا چل گیا — کیا اس
نے تصویر کی خوشبو سونگھ لی تھی۔" محمود نے جل کر کہا۔

"تصویر کی خوشبو — بھئی واہ — یہ ہوئی نا بات —" فاروق
خوش ہو کر بولا۔

"ہاں! تمہیں تو مل گیا ایک عدد نام — ناول کے لیے۔"
فرزانہ نے اسے گھورا۔

"بھئی لڑو نہیں — ہم فی الحال خیالی گھوڑے دوڑانے
کے سوا کر ہی کیا سکتے ہیں اور خیالی گھوڑے دوڑانے
سے کوئی فائدہ تو ہو سکتا ہے، نقصان ہرگز نہیں ہو سکتا —
جس کے ذہن میں جو بات آئے — کہہ سکتا ہے۔"

"تب پھر جمشید — ایک بات میرے بھی ذہن میں آئی
ہے۔" خان رحمان شرما کر بولے۔

"واہ! اس سے اچھی بات بھلا کیا ہو سکتی ہے۔"

"وہ صرف ایک خوفناک تصویر تھی — لیکن اس تصویر کے

فریم میں کوئی راز پوشیدہ تھا— شاید کوئی تحریری راز— تصویر
اس لیے خوفناک بنائی گئی تھی کہ کوئی اس کے نزدیک نہ
جانے پائے— اتفاق کی بات کہ وہ پروفیسر صاحب کے
ہاتھ لگ گئی— انھوں نے تصویر کا راز جان لیا اور مجھے
فون کیا— یاد رہے— انھوں نے کہا تھا— مزا آ گیا۔"
خان رحمان نے جلدی جلدی کہا۔

"یہ بات بھی ہو سکتی ہے—" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آپ نے اپنا خیال نہیں بتایا ابا جان—" فرزانہ نے
بے چینی کے عالم میں کہا۔

"میں اپنا خیال محفوظ رکھتا ہوں— وقت پر ظاہر کروں
گا۔" وہ مسکرائے۔

"اس طرح تو آپ ہمیں اور بھی الجھن میں مبتلا کر
رہے ہیں۔"

"یہ تم لوگوں کا قصور ہے کہ بات بے بات الجھن مول
لے بیٹھتے ہو— میں کیا کروں—" انھوں نے کندھے اچکائے۔

"اچھا چلیے— اتنا بتا دیں— کیا آپ کا خیال ہم سب
سے مختلف ہے۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔" وہ مسکرائے۔

"اوہ— اب ہم واقعی بہت بے چینی محسوس کر رہے

ہیں— اور چاہتے ہیں— جلد از جلد بتا دیں— آپ کا کیا
خیال ہے۔"

"میں اپنا خیال نہیں بتاؤں گا— ہو سکتا ہے— وہ غلط ثابت
ہو— لو ہم ۲۰۵ نمبر کوٹھی تک پہنچ گئے— اس کا مطلب ہے—
وہ حویلی کہیں اور ہے— یہ کافی پہلے کی بنی ہوئی کوٹھی ہے۔"

انھوں نے چونک کر سامنے دیکھا— وہ ایک بہت شاندار
کوٹھی تھی— ہر چیز سے فضول خرچی ٹپک رہی تھی— محمود
نے کار سے اتر کر دستک دی— باقی لوگ بھی اتر آئے—

ایک منٹ بعد سرخ و سفید رنگ کے ایک نوجوان نے
دروازہ کھولا:

"فرمایئے—" اس کے لہجے میں قدرے حیرت تھی۔

"غالباً آپ ابرام خان ہی ہیں۔"

"جی ہاں! بالکل ہوں۔" اس نے فوراً کہا۔

"ہمیں آپ سے کچھ کام ہے۔"

وہ انھیں اندر لے آیا— حیرت بڑھتی جا رہی تھی— ڈرائنگ
روم میں بیٹھنے کے بعد اس نے کہا:

"بہتر ہو گا— پہلے تعارف ہو جائے۔"

"ہاں ضرور— کیوں نہیں۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے تعارف
کرایا— اب تو اس کی حیرت بہت بڑھ گئی۔

"اُف مالک —— یہ آپ لوگ ہیں —— کس قدر خواہش تھی کہ کبھی میری آپ سے ملاقات ہو جائے۔"

"چلیے —— آج آپ کی خواہش پوری ہو گئی۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے، پھر سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولے:

"ہم نے سنا ہے —— آپ نے کوئی حویلی خریدی ہے۔"

"اوہ! تو آپ اس حویلی کے سلسلے میں آئے ہیں —— تب آپ فوراً میرے گھر سے چلے جائیں —— میں وہ حویلی کسی قیمت پر فروخت نہیں کروں گا —— آپ نے سمجھ کیا رکھا ہے" وہ چلا اٹھا۔

ان کی حیرت کا کیا پوچھنا —— نوجوان کا چہرہ غصے سے بُری طرح تمتما اٹھا تھا —— نہ جانے کیوں —— انسپکٹر جمشید کو ایک عجیب سا احساس ہوا —— وہ بُری طرح چونکے —— پھر خود کو سنبھال کر انھوں نے کہا۔

"آپ غلط سمجھے —— ہم آپ سے آپ کی حویلی خریدنے نہیں آئے —— بلکہ ہم تو ——" انھوں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

اچانک اس کے چہرے سے غصے کے آثار غائب ہو گئے —— اس کا غصہ صابن کی جھاگ کی طرح بیٹھ گیا —— اس کے منہ سے نکلا:

"ہم —— معاف کیجیے گا —— میں اپنے حواس میں نہیں رہا تھا۔"

یہ تو وہ تھا

اب وہ بالکل پُرسکون نظر آ رہا تھا —— اس نے ایک بار پھر کہا:

"پتا نہیں! مجھے کیا ہو گیا ہے —— شاید میں بہت جلد پاگل ہو جاؤں گا —— قریباً سو آدمی آ چکے ہیں —— ان سب نے بس ایک ہی بات کہی —— ہم آپ کی حویلی خریدنا چاہتے ہیں —— ہے کوئی تک —— یہی وجہ تھی —— جب آپ نے بھی حویلی کا ذکر شروع کیا تو میں اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا، اگرچہ تعارف پہلے ہی ہو چکا تھا —— لیکن پھر بھی بات ذہن سے نکل گئی —— بہرحال میں اس بدتمیزی کی معافی چاہتا ہوں —— آپ نے مجھے معاف کر دیا نا۔"

"بالکل کر دیا —— آپ فکر نہ کریں —— خیر —— یہ ایک اور اچھی بات معلوم ہوئی کہ بہت سے لوگ اس حویلی کو خریدنے کے خواہش مند ہیں —— ہم اس حویلی کے بارے میں بات چیت

سروے کرنے آئے ہیں — اور اگر آپ نے اجازت دی تو اس
کو دیکھنا بھی چاہتے ہیں، فی الحال اس تصویر کے بارے میں
بتائیے — سنا ہے، آپ کو حویلی میں سے کوئی تصویر بھی
ملی تھی۔"

"ہاں جناب — وہ تصویر بہت خوفناک تھی — میں تو اس کو
دیکھ کر ہی ڈر گیا تھا — بہرحال میں نے وہ ایک آرٹ
گیلری کو فروخت کر دی تھی۔"

"آپ نے حویلی کب خریدی اور کتنے کی خریدی — کس سے
خریدی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تقریباً چھ ماہ پہلے خریدی تھی — دو لاکھ روپے میں
سودا ہوا، کیونکہ وہ بہت پرانی ہے — بس جگہ کی قیمت
دی ہے میں نے تو — چونکہ شہر سے بالکل باہر ہے، اس
لیے وہاں زمین کا اتنا نرخ بھی نہیں ہے — اگر کہیں وہ
حویلی شہر میں ہوتی تو صرف جگہ کی قیمت دس لاکھ روپے ہوتی۔"

"خیر — اور خریدی کس سے؟"

"بارو تان سے — وہ ایک سرحدی آدمی ہے۔"

"اس کا پتا لکھوا دیں۔"

ابراہیم خان نے پتا لکھوا دیا۔

"آپ کو اس حویلی میں کوئی عجیب بات نظر آئی ہے؟"

"بالکل نہیں — پرانے وقتوں کی ہے — اسے گرا کر اس پر
کوٹھی تعمیر کراؤں گا — دراصل میں شہر کے ہنگاموں سے دور
رہنا پسند کرتا ہوں، ایسی جگہ کی تلاش میں پھر رہا تھا
کہ اس حویلی پر نظر پڑی — اس پر برائے فروخت کا ایک
بورڈ بھی لگا ہوا تھا — بارو تان کا پتا نوٹ کر کے میں
اس سے ملا — جب اس نے سنا کہ میں حویلی خریدنا چاہتا
ہوں تو وہ بہت خوش ہوا — شاید اس کا کوئی گاہک لے
مل ہی نہیں رہا تھا — بورڈ بھی کافی پرانا تھا — اس لیے
میں اب بہت حیران ہوں کہ یکایک اس حویلی میں ایسی
کیا خاص بات پیدا ہو گئی — کہ ان گنت خریدار اس کے
پیدا ہو گئے اور مجھ سے پہلے بے چارے بارو تان کو
کوئی گاہک ڈھونڈے سے نہیں مل رہا تھا۔"

"تصویر کو دیکھ کر آپ کو فوری طور پر فروخت کرنے کا
خیال کیوں آیا — اور کیا آپ نے اس کے بارے میں
بارو تان سے کوئی بات کی؟"

"نہیں! اس سے بات کرنے کی ضرورت نہیں تھی، اس
نے فروخت کرتے وقت ہی کہہ دیا تھا کہ اب حویلی اور
حویلی میں کوئی چیز بھی اگر موجود ہے تو وہ آپ کی ہے —
لہذا تصویر ملنے پر میں اس سے کیا بات کرتا — اب رہی

یہ بات کہ میں نے تصویر پانے کے بعد فروخت کرنے کی ضرورت
کیوں محسوس کی — تصویر اگر خوب صورت ہوتی، دل کش ہوتی تو
میں کوٹھی کے لیے ہی اسے رکھ لیتا، لیکن چوں کہ وہ ایک خوفنا
تصویر تھی — اس لیے اسے فروخت کر دینے کا خیال آیا — ان
حالات میں اسے کسی آرٹ گیلری کو ہی فروخت کر سکتا تھا۔
کیا خیال ہے آپ کا۔"

"ہوں ٹھیک ہے — اگر ہم اس حویلی کو دیکھ لیں تو آپ
کو کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا؟"

"بالکل نہیں! میں تو بس اسے فروخت کرنے کے خلاف
ہوں —"

"چاہے آپ کو —" فاروق کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔
اسی وقت گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی تھی — ایرام خان
نے چونک کر کہا:

"شاید پھر کوئی خریدار آ گیا ہے — میں ابھی اسے ٹرخا کر
آتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھا

"ایک منٹ جناب — مہربانی فرما کر اسے ٹرخانے کی
کوشش نہ کریں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی — کیا مطلب؟"

"اگر وہ کوئی ایسا شخص ہے — جو حویلی خریدنا چاہتا ہے

و لے پیار اور محبت سے اندر لے آئیں — یہ کوئی عجیب و
غریب معاملہ ہے — اور اس معاملے کی لپیٹ میں جانے ملک
کے مشہور سائنس دان پروفیسر داؤد بھی آ گئے ہیں — انہیں
اور ان کے ساتھیوں کو اغوا کر لیا گیا ہے۔"

"اوہو — یہ میں کیا سن رہا ہوں۔" ایرام خان کے لہجے میں
حیرت تھی۔

"جی ہاں — جائیے — پہلے ملاقاتی کو اندر لے آئیے۔"

"بہت بہتر —" اس نے کہا اور تیزی سے باہر نکل گیا

"محمود! تم بھی اس کے پیچھے جاؤ —" انسپکٹر جمشید دبی
آواز میں بولے۔

محمود بھی اٹھ کر چلا گیا — جلد ہی اس کی واپسی ہوئی —
اس نے سرگوشی کی:

"ایرام خان ملاقاتی کو اندر لا رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ بولے۔

جلد ہی ایرام خان ایک نوجوان آدمی کے ساتھ اندر
داخل ہوا — نوجوان اندر ان سب کو دیکھ کر پریشان ہو گیا —
"میں تو آپ سے علیحدگی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔" اس
نے گھبرا کر کہا۔

"آپ تشریف رکھیے — ہم اٹھ جاتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"نہیں نہیں — اس کی ضرورت نہیں — مسٹر — یہ میرے بہت
قریبی لوگ ہیں — آپ کو کسی شرم یا گھبراہٹ کی ضرورت نہیں
کھل کر بات کر سکتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔" اس نے کہا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس
نے ہونٹوں پر زبان پھیری اور بولا:

"میں آپ کی وہ حویلی خریدنا چاہتا ہوں۔"

اچانک ابرام خان کا چہرہ پھر سرخ ہو گیا — یہ دیکھ کر
انسپکٹر جمشید فوراً بولے۔

"ضرور خریدیے جناب — ابرام خان حویلی فروخت کرنے کے
لیے بالکل تیار ہیں۔"

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں — میں نے تو سنا تھا — یہ حویلی
فروخت کرنے پر تیار نہیں ہیں۔"

"اب انھوں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے — آپ شوق
سے اس کو خرید سکتے ہیں — خریدنے سے پہلے کیا آپ اس
کو دیکھنا پسند کریں گے۔"

"دیکھی بھالی تو وہ پہلے ہی ہے — سودے کی بات کریں
ہم اس کے بیس لاکھ روپے لیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے
"شکریہ — مجھے منظور ہے — اپنی زبان پر قائم رہیے گا"
وہ دھک سے رہ گئے — ابرام خان کا بھی مارے

حیرت کے برا حال ہو گیا — وہ شاید سوچ بھی نہیں سکتا تھا
کہ اس کی حویلی کا سودا کوئی دوسرا آدمی اس طرح آناً
فاناً کر دے گا — خود انسپکٹر جمشید بھی ذرا دیر کے لیے
گڑبڑا گئے۔ پھر وہ بولے:

"ادائیگی بالکل نقد ہو گی اور آج ہی۔"

"بالکل آج ہی ہو گی — رجسٹری ہم کل کرا لیں گے۔
میں چیک لکھے دیتا ہوں — آپ فون کر کے بینک سے معلوم
کر لیں۔"

یہ دوسرا دھچکا تھا جو انھیں لگا — اس دوران نوجوان جیب
سے چیک بک نکال چکا تھا — اس نے بیس لاکھ روپے
کا چیک لکھ دیا — انسپکٹر جمشید نے چیک ہاتھ میں لے
کر بینک کی برانچ کا نام پڑھا اور فون کرنے لگے — انکوائری
سے اس شاخ کا فون نمبر معلوم کرنے کے بعد انھوں
نے اس کے نمبر ڈائل کیے — دوسری طرف سے منیجر کی آواز
سن کر وہ بولے:

"کرنٹ اکاؤنٹ نمبر ۱۹۱۱ کا ایک بیس لاکھ روپے کا
چیک دیا گیا ہے — ہم جاننا چاہتے ہیں کہ یہ چیک کیش
ہو جائے گا۔"

"کیا نمبر بتایا جناب آپ نے —" منیجر نے حیران ہو

پہلے۔

"۱۹۷۱۔" وہ بولے۔

"بالکل ہو جائے گا جناب۔ ایک کروڑ روپے کا چیک ہو تو وہ بھی کیش ہو جائے گا۔" اس نے کہا۔

"شکریہ۔ میں جناب! یہی معلوم کرنا تھا۔ میں چیک کا نمبر لکھوا رہا ہوں۔ اس کے حصے کی بیس لاکھ کی رقم آپ اکاؤنٹ میں ضرور باقی رکھیے گا۔"

"خطرے والی کوئی بات نہیں جناب۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"ٹھیک ہے جناب۔ آپ صبح آ کر رجسٹری کرا لیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"بہت بہت شکریہ۔" اس نے کہا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"آپ کا نام کیا ہے جناب۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میں۔ میں پرنس داراب ہوں۔ شاید آپ نے میرا نام سنا ہو گا۔"

"پرنس داراب۔ ریاست داراب کے شہزادے۔" پہلی مرتبہ انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"آپ نے ٹھیک پہچانا۔" وہ مسکرایا۔ پھر اٹھتے ہوئے بولا۔

"کیا کسی طرح یہ سودا کینسل نہیں ہو سکتا۔" ایسے میں ابرام خان نے کہا۔

"کیا کہا۔" پرنس داراب کا چہرہ تن گیا۔ غصے سے اس کی آنکھیں باہر نکل آئیں۔ اور عین اس وقت ابرام خان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"میں ایسی باتیں سننے کا عادی نہیں ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

"مسٹر ابرام۔ آپ کس بات پر حیران ہیں۔"

"ہم۔ میں نے۔ میں نے اس نوجوان کو کہیں دیکھا ہے، اور بہت غور سے دیکھا ہے۔"

"ضرور دیکھا ہو گا۔ یہ ایک بہت مشہور آدمی ہے۔ ایک بہت مالدار ریاست کا والی ہے۔ ہمارے ملک میں سیر کی غرض سے اکثر آتا رہتا ہے۔ آپ نے اخبارات میں یا کسی سرکاری تقریب میں اسے دیکھا ہو گا۔"

"نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو میں اسی وقت اسے پہچان لیتا، جب وہ دروازے پر ملا تھا۔" اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"تب پھر؟" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"کوئی بہت ہی عجیب بات ہے۔ جو مجھے یاد آنا چاہتی ہے۔ لیکن آنے کے ساتھ ہی ذہن سے نکل جاتی ہے۔"

اُف میں کیا کروں۔"

"آپ صبر کریں۔" فاروق بول اٹھا۔

"کیا مطلب؟"

"صبر کا مطلب تو صبر ہی ہوتا ہے — ان حالات میں سوائے صبر کے اور کیا بھی کیا جا سکتا ہے۔"

"مشورے کا شکریہ! لیکن میری پریشانی اور الجھن بڑھتی جا رہی ہے۔"

"آپ یہ بتائیں — ہم آپ کے لیے کیا کریں۔" محمود نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"میرے حال پر رحم کریں — مجھے سوچنے دیں — ورنہ میرے دماغ کی رگیں شاید پھٹ جائیں گی۔" اس نے اپنے بال نوچتے ہوئے کہا۔

وہ اس کی حالت دیکھ کر گھبرا گئے۔

"اللہ آپ کے حال پر رحم کرے — آپ ذرا خود پر قابو پائیں۔" انسپکٹر جمشید نے پریشان ہو کر کہا۔

"مہربانی فرما کر مجھے تنہا چھوڑ دیں — آپ نے میری اجازت کے بغیر میری حویلی فروخت کر دی — جب کہ آپ کو اس کا کوئی حق نہیں پہنچتا تھا — آپ کو چاہیے تھا — پہلے مجھ سے بات کر لیتے۔"

"اس بارے میں آپ فکر مند نہ ہوں — حویلی آپ کی ہی رہے گی۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی — وہ کیسے — کل جب وہ میرے پاس آئے گا — تو میں اسے کیا جواب دوں گا۔"

"اگر وہ آپ کے پاس کل نہ آیا — تو اس صورت میں تو آپ کے پاس جواب ہو گا۔"

"ہاں! یہ تو ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے — وہ آپ تک نہیں پہنچ سکے گا۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔"

"یہ ہمارا کام ہے — آپ کا اس سے کوئی تعلق نہیں — آپ تو حویلی فروخت کرنے کے پابند اس وقت ہیں — جب کہ خریدار آپ کے پاس آئے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے — لیکن وہ آئے گا کیوں نہیں — جس نے بیس لاکھ روپے کا چیک اس طرح لکھ مارا جیسے دو سو روپے کا چیک لکھا ہے — وہ حویلی خریدنے کیوں نہیں آئے گا۔"

"نہیں آئے گا — ویسے فرض کر لیں — وہ آ جاتا ہے — تو دو لاکھ روپے کی حویلی کے آپ کو بیس لاکھ روپے مل رہے ہیں — اس سے بہتر سودا بھلا کیا ہو سکتا ہے۔"

"بات یہ نہیں — میں تو یہ جاننا چاہتا ہوں کہ یہ حویلی ہے کیا چیز — یکایک اس کے اتنے گاہک کیوں پیدا ہو گئے۔"

"اس بات پر تو حیرت ہمیں بھی ہے — لیکن ہم کر ہی کیا سکتے ہیں — کسی بات پر حیرت کو ہونے سے روک کس طرح سکتے ہیں۔" فاروق نے مسمی صورت بنائی۔

"اوہو — مجھے یاد آ گیا — اُف مالک — یہ — یہ تو وہ تھا" اس کی آنکھوں میں اب خوف بڑھتا جا رہا تھا۔

Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3

مسہری پر کون تھا

"آپ کو کیا یاد آ گیا — ہمیں بھی بتائیں نا —" فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا۔

"مجھے یہ بات یاد آ گئی ہے کہ اس نوجوان — یعنی پرنس داراب کو میں نے کہاں دیکھا ہے۔"

"لو — یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے — جلدی بتائیں کہاں دیکھا ہے — کہیں آپ بھول نہ جائیں۔"

"اس — اس پہ —" اس کے لہجے میں بلا کا خوف تھا۔

"اس — اس پہ — اس کا کیا مطلب ہوا جناب — یہ کونسی زبان کا لفظ ہے۔" فاروق نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"ہم — میرا مطلب ہے — میں نے اس نوجوان کو اس تصویر پر دیکھا تھا — جو میں نے آرٹ گیلری کو فروخت کی تھی۔"

"کیا!!!" وہ ایک ساتھ چلا اٹھے۔ اب ان کی آنکھیں بھی حیرت سے پھیل گئیں۔

"آفت ماتک ۔۔۔ یہ کیا چکر ہے ۔۔۔ وہی نوجوان حویلی کا سودا کر گیا ۔۔۔ آخر حویلی میں اس کی تصویر کس طرح موجود تھی ۔۔۔ تصویر بھی عجیب اور حیرت انگیز ۔۔۔ اس کے ہاتھ میں تلوار تھی ۔۔۔ تلوار سے خون ٹپک رہا تھا ۔۔۔ وہ ایک مسہری کے پاس کھڑا تھا ۔۔۔ مسہری سے کسی کا خون آلود ہاتھ لٹک رہا تھا ۔۔۔ خون فرش پر بہ رہا تھا ۔۔۔ فرش پر شیشے کی ایک گیند بھی موجود تھی ۔۔۔ وہ بھی خون آلود ہو گئی تھی ۔۔۔ یہی تصویر تھی نا" انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

"ہاں ! بالکل یہی تصویر تھی ۔۔۔" اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"اب ہماری الجھنیں اور بڑھ گئیں ۔۔۔ میرا خیال ہے ۔۔۔ سب سے پہلے ہمیں وہ حویلی دیکھ لینی چاہیے، اور اس کے بعد ہم یار محمد خان سے بھی ملیں گے ۔۔۔ معلوم تو ہو، اس نے حویلی کس سے خریدی تھی ۔۔۔ یا اسے کس طرح ملی تھی ۔۔۔ کیا آپ ہمارے ساتھ چلیں گے؟" انھوں نے یہ کہتے ہوئے ابرام خان کی طرف دیکھا۔

"اب تو مجھے چلنا ہی پڑے گا ۔۔۔ ویسے اگر کل پرنس دراب میرے پاس آ گیا تو میں رجسٹری کرانے پر مجبور ہوں گا۔"

"آخر آپ کا نقصان کیا ہے ۔۔۔ دو لاکھ روپے کی پرانی حویلی بیس لاکھ میں بیچ کر۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"نہ جانے اس حویلی کی کیا اہمیت ہے ۔۔۔ اگر اس کے بیس لاکھ روپے اس طرح چٹکی بجاتے مل رہے ہیں، تو کوئی تو بات ہے۔" ابرام خان بولا۔

"ہاں ! بات کوئی ضرور ہے ۔۔۔ بات کیا ہے ۔۔۔ یہ ہم بھی نہیں جانتے۔"

آخر وہ حویلی پہنچے ۔۔۔ وہ ایک بہت بڑی اور بہت پرانی حویلی تھی ۔۔۔ اکثر حصے گر چکے تھے ۔۔۔ حویلی سے زیادہ وہ ایک کھنڈر نظر آئی ۔۔۔ اسے دیکھ کر ایک نامعلوم سا خوف محمود، فاروق اور فرزانہ نے محسوس کیا ۔۔۔ حویلی کا دروازہ بہت بڑا اور بہت موٹی لکڑی کا تھا ۔۔۔ اس پر ایک بڑا سا پرانا تالا لگا ہوا تھا۔ ابرام خان نے چابی نکال کر تالا کھول ڈالا ۔۔۔ تالا کھولنے کے لیے اسے بہت زور لگانا پڑا ۔۔۔

"آپ نے اس پر نیا تالا کیوں نہیں لگایا۔" فاروق

نے منہ بنایا۔

"ابھی حویلی کو تو گرانا ہی ہے۔۔ اس کی جگہ کوٹھی تو
کراؤں گا۔۔ لہٰذا نیا تالا لگانے کی بھلا کیا ضرورت
ہے۔" وہ بولا۔۔ اب وہ پہلے کی نسبت پُرسکون نظر
آ رہا تھا۔

دروازے کو ان سب نے مل کر دھکیلا۔۔ وہ اندر داخل
ہوئے۔۔ ہر طرف ویرانی کا راج تھا۔۔ حتیٰ کہ حویلی کے آثار
سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کسی بہت بڑے نواب
یا جاگیردار کی تھی۔۔

"آپ کو وہ تصویر کہاں ملی تھی؟"

"اندر ایک کمرے کے آتش دان پر۔۔ عجیب بات یہ
ہے کہ اس تصویر کے علاوہ حویلی میں کوئی اور چیز نہیں ملی
"بارو تان نے اس کی فروخت کا اشتہار دیا تھا؟" انسپکٹر
جمشید نے پوچھا۔

"جی ہاں! اشتہار ہی دیا تھا۔۔ میں نے اشتہار
پڑھ کر بارو تان سے ملاقات کی، کیوں کہ میں بہت دنوں
سے اس قسم کی جگہ کی تلاش میں تھا۔۔ بارو تان نے مجھے
دکھائی اور تین لاکھ روپے قیمت لگائی۔۔ دو لاکھ میں معاملہ
سودا طے ہو گیا اور پھر میں نے اس کی رجسٹری کرا

لی۔۔ اس کے بعد میں نے حویلی کا جائزہ لیا تو اس تصویر پر نظر
پڑی۔۔ تصویر کو دیکھ کر مجھے نہ جانے کیوں خوف سا محسوس ہوا۔
پہلا خیال یہی آیا کہ تصویر کسی آرٹ گیلری کو فروخت کر دی
جائے۔۔ کچھ پیسے ہی ہاتھ آئیں گے۔۔ اس طرح میں تصویر
نیشنل آرٹ گیلری تک لے گیا۔۔ میں نہیں جانتا تھا۔۔ تصویر
میرے لیے مسائل پیدا کر دے گی۔"

"ہوں۔۔ آپ فکر نہ کریں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

انھوں نے حویلی کا ایک ایک کمرہ دیکھا۔۔ برآمدے دیکھے،
صحن دیکھا۔۔ چھت پر بھی چڑھے۔۔ کسی زمانہ میں یہ بہت
شاندار حویلی رہی ہو گی۔۔ کمرے بہت بڑے بڑے تھے اور
اونچی چھتوں والے تھے۔۔ کمروں کے درمیان میں بہت زیادہ
گولائی والے ستون تھے۔۔ ہر کمرے میں ہی انھیں ستون
نظر آیا۔۔ ستونوں پر نقش و نگار بنے تھے۔۔ درمیانی حصے
میں ایک ہال بھی نظر آیا۔۔ وہ اس قدر بڑا تھا کہ انھوں
نے آج تک اتنا بڑا ہال نہیں دیکھا تھا۔ اس کی چھت
سے ایک بہت بڑا فانوس لٹک رہا تھا۔۔ فانوس شیشے کا
بنا ہوا تھا۔۔ اس کی چمک دمک اگرچہ ماند پڑ چکی تھی۔۔
لیکن پھر بھی۔۔ اس پر نظر ڈالنے سے محسوس ہوتا تھا کہ
کسی وقت یہ خوب جگ مگ جگ مگ کرتا ہو گا۔

"یہی ہے وہ کمرہ — اور وہ تصویر یہاں رکھی تھی" ابرام خان نے کہا۔

اس کمرے کو انھوں نے خاص توجہ سے دیکھا، اس آتش دان کا بھی اچھی طرح جائزہ لیا — لیکن کوئی خاص بات دریافت نہ کر سکے۔

"مجھے رہ رہ کر اس تصویر کا خیال آ رہا ہے — آخر مسہری پر کون شخص تھا — کیا اسے اس نوجوان نے قتل کیا تھا" محمود بڑبڑایا۔

"ابھی کیا کہا جا سکتا ہے — زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ وہ تصویر نہ جانے کب سے اس حویلی میں بند پڑی تھی — کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی — حالانکہ یہاں سے اس تصویر کو اڑا لینا کچھ بھی مشکل کام نہیں تھا — لیکن نہیں اڑائی گئی — اور جونہی ابرام صاحب نے حویلی خریدی — تصویر باہر نکلی — تو تصویر کی بھی اہمیت پیدا ہو گئی اور اس حویلی کی بھی — آخر کیوں — اس سے بھی عجیب بات یہ کہ حویلی کے بے شمار خریدار بھی پیدا ہو گئے — یہاں تک کہ تصویر والا نوجوان بھی حویلی خریدنے کے لیے بڑی طرح بے قرار ہے — اور بیس لاکھ روپے کا چیک لکھ کر دے گیا ہے — اور وہ ایک ریاست کا شہزادہ ہے — ان

حالات میں ہمارے دماغ چکر نہیں کھائیں گے تو اور کیا کریں گے" فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

"ان بے چاروں کا کام ہی کیا رہ گیا ہے" فاروق نے منہ بنایا۔

"کن بے چاروں کا"

"ہمارے دماغ — اور کون" اس نے کہا۔

"اور میں محسوس کر رہا ہوں کہ ہم نے بیس لاکھ روپے تک حویلی فروخت کر کے بہت بڑی غلطی کی ہے — ضرور کوئی گہرا راز اس حویلی سے تعلق رکھتا ہے — کہیں ہم کوئی بہت بڑے نقصان کا سودا نہ کر بیٹھے ہوں" ابرام خان نے پریشان ہو کر کہا۔

"آپ فکر نہ کریں — اس نوجوان کو ہم کل آپ کے پاس نہیں پہنچنے دیں گے — اور جب وقت گزر جائے گا — تو آپ اس کا چیک واپس کر دیجیے گا — اس طرح وہ نئے سرے سے سودا کرنے پر مجبور ہو جائے گا — آپ اور بڑھ چڑھ کر رقم مانگ سکتے ہیں"

"بہت بہت شکریہ — لیکن میں چاہتا ہوں، حویلی کو فروخت نہ کروں — یا کم از کم فروخت کرنے سے پہلے اس کا راز جاننے کی پوری پوری کوشش کر لی جائے" ابرام خان بولا۔

"یہ کوشش آپ کے لیے ہم کریں گے اور اس کوشش کا پہلا مرحلہ ہے — باروتان سے ملاقات کرنا — حویلی کا جائزہ ہم پھر لے لیں گے۔ فی الحال یہاں سے کچھ معلوم ہونے کی اُمید نہیں ہے — آئیے چلیں — آپ کو بھی ہمارے ساتھ چلنا ہو گا۔"

"ضرور کیوں نہیں۔"

وہ وہاں سے روانہ ہوئے اور باروتان کے گھر پہنچے۔ یہ ایک بہت پرانا مکان تھا، حالت بہت خستہ تھی — یوں لگتا تھا — کہ اس کا مالک غربت کا شکار ہے۔

محمود نے آگے بڑھ کر دستک دی — لیکن کوئی جواب نہ ملا، تیسری دستک کے بعد انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، اب کیا کریں۔

"پہلے پڑوسیوں سے پوچھ گچھ کر لیں۔"

انھوں نے دائیں طرف والے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا — ایک ادھیڑ عمر آدمی باہر نکلا:

"جی فرمائیے۔" اس نے انھیں گھور کر کہا۔

"آپ کے پڑوسی سے ملنے آئے ہیں — لیکن وہ دروازہ ہی نہیں کھول رہے۔"

"دروازہ نہیں کھول رہے — کیوں — وہ تو قریب قریب

ہر وقت گھر میں ہی ہوتے ہیں۔" پڑوسی نے حیران ہو کر کہا۔

"دروازے پر تالا بھی نہیں لگا ہوا — گویا وہ اندر ہی موجود ہیں — ان حالات میں تو انھیں دروازہ کھولنا ہی چاہیے تھا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"بھلا میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"گھر میں کتنے افراد رہتے ہیں۔"

"صرف ایک —" اس نے کہا۔

"اور ان کا نام باروتان ہے۔"

"ہاں! بالکل یہی نام ہے۔" پڑوسی بولا۔

"تب ہم ایک بار اور کوشش کرتے ہیں، مہربانی فرما کر آپ بھی ہمارے ساتھ رہیں۔"

"اچھی بات ہے —" اس نے پریشان ہو کر کہا۔

اس بار انھوں نے زور سے دروازہ پیٹا — یہاں تک کہ بائیں طرف والا پڑوسی بھی باہر نکل آیا:

"کیا معاملہ ہے بھئی —" اس نے اپنے پڑوسی کی طرف دیکھا۔

"یہ حضرات مسٹر باروتان سے ملنے آئے ہیں — لیکن وہ حضرت دروازہ ہی نہیں کھول رہے۔"

"کیوں! اور دروازہ ہے بھی اندر سے بند — کہیں وہ

حضرت نشہ کر کے نہ پڑے ہوں۔" دوسرا پڑوسی بولا۔

"نشہ - تو باروتان صاحب نشہ بھی کرتے ہیں؟"

"ہاں جناب - میں نے اسے اکثر نشے میں دیکھا ہے۔"

"تب تو دروازے کا کھلوایا جانا بہت ضروری ہے۔ کہیں وہ حضرت زیادہ نشہ کر بیٹھے ہوں - کیا خیال ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہم اس معاملے میں کچھ نہیں کر سکتے۔"

"فاروق -" انسپکٹر جمشید اس کی طرف مڑے۔

"جی ابا جان۔" وہ فوراً بولا۔

"یہ اس معاملے میں کچھ نہیں کر سکتے - ہم مسٹر باروتان سے ملے بغیر رہ نہیں سکتے - ان حالات میں یہی ہو سکتا ہے کہ تم اندر داخل ہو کر دروازہ کھول دو۔"

"بہت بہتر۔" اس نے کہا۔

"کیا مطلب - آپ کے برخوردار اندر کس طرح داخل ہو سکتے ہیں - جب کہ دروازہ بند ہے۔"

"جادو کے ذریعے۔" فرزانہ بولی۔

فاروق مسکراتا ہوا مکان کے پچھلے حصے کی طرف چلا گیا۔

"یہ حضرت کام کیا کرتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہم نے تو آج تک انھیں کوئی کام کرتے نہیں دیکھا۔

نہ یہ محلے میں کسی سے ملتے جلتے ہیں - نہ کسی سے کوئی بات چیت کرتے ہیں - ان کا نام بھی ہمیں معلوم نہیں تھا - اس طرح معلوم ہوا کہ ایک روز باروتان نامی آدمی کو کوئی شخص تلاش کرتا ہوا ادھر آیا - اس نے ادھر ادھر سے پوچھا - لیکن کسی کو باروتان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا - ایسے میں اس شخص کا دروازہ کھٹکھٹا ڈالا - ہم نے بھی اسے بتایا کہ اس شخص کا نام ہم نہیں جانتے - دراصل باروتان نے یہ مکان کچھ عرصہ پہلے کرائے پر لیا تھا۔"

"ہوں - تو یہ بات ہے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

دو منٹ بعد دروازہ کھلا اور فاروق انھیں نظر آیا - پڑوسی یہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔

"ارے - یہ کیا - یہ - یہ اندر کس طرح پہنچ گئے۔"

"آپ کو بتایا تو تھا - جادو کے ذریعے۔" محمود نے منہ بنایا۔

"اندر کچھ نظر آیا فاروق -" انسپکٹر جمشید اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"نیچے اتر کر پہلے میں نے دروازے کا رخ کیا - آیئے اندر چلیں۔"

اب وہ اندر داخل ہوئے - انھیں حیرت ہوئی - اندر بے سروسامانی کا عالم تھا - غربت ہر چیز سے ٹیک رہی تھی -

گھر میں کوئی ایک چیز بھی تو ڈھنگ کی نہیں تھی۔

"مسٹر ابرام خان — کیا آپ نے واقعی اس شخص سے حویلی خریدی تھی اور وہ بھی دو لاکھ روپے میں؟"

"جی ہاں! مگر یہاں وہی باروتان رہتا ہے۔" اس نے کہا۔

"اس نے اپنا یہی پتا بتایا تھا۔"

"بالکل!" وہ بولا۔

"حیرت ہے — دو لاکھ روپے حاصل کر کے بھی اس شخص نے اپنی حالت بدلنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔" انسپکٹر جمشید بولے — پھر آگے بڑھے۔

مکان اگرچہ بڑا تھا — لیکن گیا گزرا تھا — ایک کمرے کا دروازہ باہر سے بند نظر آیا — باقی دروازے چوپٹ کھلے نظر آئے تھے — اور باروتان ان میں نظر نہیں آیا تھا۔

اس کمرے کا دروازہ کھولا گیا — اور پھر بدبو کا ایک بھبکا ان کی ناکوں سے ٹکرایا — وہ گھبرا کر پیچھے ہٹے — انھوں نے دیکھا —

اندر باروتان کی لاش پڑی تھی — اس کا خون فرش پر جم کر سیاہ ہو چکا تھا۔

خیر تو ہے جناب

وہ ساکت رہ گئے — باروتان نے حویلی کس طرح حاصل کی تھی، کس سے خریدی تھی — یہ بات انھیں باروتان سے ہی معلوم ہو سکتی تھی — لیکن اسے قتل کر دیا گیا تھا۔

"ابرام خان صاحب — حویلی کی رجسٹری کرائی تھی آپ نے —" اچانک انسپکٹر جمشید کو خیال آیا —

"جی ہاں — بالکل کرائی تھی۔"

"رجسٹری کے سابقہ کاغذات پر حویلی کے مالک کا نام ضرور لکھا ہو گا — ہمیں وہ کاغذات دیکھنا ہوں گے۔"

"وہ میرے پاس محفوظ ہیں۔" اس نے کہا۔

"بہت خوب! محمود تم اکرام کو فون کر دو — اس دوران ہم لاش کا جائزہ لے لیں۔"

"جی بہتر!" اس نے کہا اور باہر نکل گیا۔

بدبو کی وجہ سے وہاں ٹھہرنا بہت مشکل تھا — لیکن وہ

بتے — اپنا کام تو انھیں کرنا ہی تھا — انھوں نے
تیزی سے نظریں دوڑائیں — خنجر کمر میں مارا گیا تھا — اور
کمر میں ہی چھوڑ دیا گیا تھا — خنجر کا دستہ سنہری رنگ کا
تھا — باروتان اوندھے منہ گرا تھا — اس کا لباس بھی
پھٹا پرانا سا تھا:

"حیرت ہے — اس نے دو لاکھ روپے کی حویلی فروخت
کی تھی — لیکن گھر کی ہر چیز سے غربت ٹپک رہی ہے،
یہاں تک کہ اس کا لباس بھی بہت ہی سستا سا ہے:"
انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"یک — کہیں — وہ دو لاکھ روپے حاصل کرنے کے لیے
تو اسے قتل نہیں کیا گیا" فرزانہ بڑبڑائی۔

"اوہ ہاں! یہ بات بھی ہو سکتی ہے۔"

"اگر اس شخص کو اپنی حالت نہیں بدلنا تھی تو پھر
اس نے حویلی فروخت ہی کیوں کی تھی" فاروق نے کہا۔

"بھئی جمشید۔ میں تو اب یہاں اور نہیں ٹھہر سکتا —
دماغ پھٹتا محسوس ہو رہا ہے" خان رحمان گھبرا کر بولے۔

"ٹھیک ہے — تم باہر ٹھہرو۔"

اسی وقت محمود اندر داخل ہوا:

"انکل اکرام آ رہے ہیں — آپ نے کیا معلوم کیا —

کوئی چیز ملی:"

"نہیں — کچھ بھی نہیں۔ لاش کے نیچے سے شاید کوئی چیز
مل جائے۔"

وہ باہر آ گئے — اب کمرے میں رک کر کرتے بھی کیا — آخر
اکرام کی صورت نظر آئی۔

"چلو بھئی — اپنا کام شروع کرو — اور لاش کے نیچے کوئی
چیز نظر آئے تو ہمیں آواز دے دینا۔"

"خیر تو ہے — آپ باہر کھڑے ہیں۔"

"مقتول کو آج نہیں — تین چار دن پہلے قتل کیا گیا ہے۔"

"اوہو اچھا —" اس نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

وہ باہر کھڑے رہے — اچانک انھوں نے اکرام کی حیرت
زدہ آواز سنی:

"ہائیں! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔"

وہ اندر کی طرف لپکے:

"جلدی بتائیے انکل — آپ کیا دیکھ رہے ہیں۔"

"یہ — یہ تو باروتان ہے۔"

"تو ہم نے کب کہا کہ یہ شاروبان ہے —" فاروق نے
منہ بنایا۔

"ہم — میرا مطلب ہے — میں اس شخص کو جانتا ہوں —

پرانا جرائم پیشہ ہے ۔ لیکن بہت ہی چھوٹی موٹی وارداتیں کرنے
کا عادی ہے ۔ کئی بار پکڑا بھی گیا ۔ سزا یافتہ ہے ۔ لیکن
کچھ عرصے سے نظر نہیں آ رہا تھا۔"

"ہوں! تب تو یہ اور عجیب بات ہو گئی ۔ وہ حویلی اس
کی کیسے ہو سکتی ہے۔"

"جی ۔ کونسی حویلی۔" اکرام بولا۔

انھوں نے مختصر طور پر حالات اکرام کو سنائے ۔ اس کا
منہ حیرت سے کھل گیا ۔ پھر اس نے پُرزور انداز میں سر
ہلاتے ہوئے کہا:

"ناممکن جناب ۔ وہ حویلی اس کی ہرگز نہیں ہو سکتی ۔ اس
میں ضرور کوئی چکر ہے۔"

"خیر ۔ تم پہلے اپنا کام مکمل کر لو ۔ اور ہاں ہو سکتا ہے ۔
یہاں کسی جگہ دو لاکھ روپے چھپائے گئے ہوں۔"

اکرام اور اس کے ماتحتوں نے اپنا کام شروع کر دیا گیا
تصاویر لینے کے بعد لاش کو اُٹھا گیا ۔ انھیں لاش کے
نیچے بھی کچھ نہ ملا ۔ گھر میں دو لاکھ روپے بھی کہیں نہ مل
سکے ۔ اب وہ ابرام خان کے گھر پہنچے ۔ اس نے رجسٹری کے
کاغذات نکال کر اس کے سامنے رکھ دیے:

"یہ کاغذات میں انتقال اراضی کے ماہر سے چیک کرا دوں

گا ۔ اس لیے میرے پاس رہیں گے ۔ اگر پرنس داراب آئے
تو مجھے فون کر سکتے ہیں۔"

"بہت بہتر! مجھے بس اسی کا فکر ہے۔"

"آپ ایک بات مجھے بتا دیں ۔ کیا آپ کو یہ سودا پسند
نہیں ۔ یعنی بیس لاکھ روپے میں آپ حویلی فروخت نہیں
کرنا چاہتے۔"

"نہیں! میں چاہتا ہوں ۔ پہلے حویلی کا راز معلوم کر
لوں ۔ کہیں بعد میں مجھے پچھتانا نہ پڑے۔"

"جیسے آپ کی مرضی ۔ پرنس داراب آپ سے حویلی نہیں
خرید سکے گا ۔ آپ اس کا چیک واپس دے دیجیے گا۔"

"لیکن! اسے کیا کہوں گا۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اس بات کو چھوڑیں ۔ جونہی وہ آئے ۔ آپ مجھے فون
کر دیں اور اگر میں نہ مل سکوں تو پیغام نوٹ کرا دیں ۔
پرنس سے کہہ دیں کہ وہ کاغذات چونکہ میرے پاس ہیں ، اس
لیے انھیں کچھ دیر انتظار کرنا ہو گا۔"

"بہت بہتر۔" اس نے کہا اور وہ باہر آ گئے۔

"اب کیا ارادہ ہے۔"

"ہم ذرا بارو تان کے گھر تک چلیں گے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی کیا فرمایا ۔ ابھی ابھی تو ہم وہاں سے آئے ہیں ۔

اور پھر اب وہاں کیا رکھا ہے۔ لاش لے جائی جا چکی ہے۔ گھر
سے کوئی خاص چیز پہلے ہی نہیں ملی۔"

"لیکن اس گھر میں ایک خاص چیز ضرور ہے — میں اس
چیز کو ابرام خان کے سامنے نہیں اٹھا سکتا تھا — اگرچہ
ابرام خان سے چھپانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی — لیکن میں
اپنے اصول کی وجہ سے مجبور تھا۔"

"ہوں — تو پھر چلیے — ہم تو خود چاہتے ہیں کہ کوئی
کام کی چیز مل جائے — کچھ تو ہمارا کام چلے۔" فاروق مسکرایا۔

"نہ جانے بے چارے پروفیسر انکل اور شائستہ کہاں ہوں
گے — انھیں کس حالت میں رکھا گیا ہو گا —" فرزانہ نے اداس
لہجے میں کہا۔

"میرا دل کہتا ہے — وہ جہاں بھی ہیں، بخیریت ہیں —
انھیں تو بس اس لیے اغوا کیا گیا ہے کہ وہ کسی کو تصویر
کا راز نہ بتا دیں — جہاں تک میرا خیال ہے — انھوں نے
تصویر کا راز جان لیا تھا — اسی لیے تو انھوں نے فون
پر کہا تھا — بھئی واہ — مزا آ گیا۔" محمود نے جلدی
جلدی کہا۔

"تمھارا خیال بھی غلط نہیں لگتا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔
"سوال یہ ہے کہ وہ راز کیا تھا۔"

"اگر یہ بات معلوم ہو جائے تو پھر اس کیس میں رہ
کیا جائے گا۔"

"ہوں! تو پھر چلیے — فی الحال ہم صبر ہی کر لیتے ہیں۔"
فاروق نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

وہ ایک بار پھر باروتان کے مکان پر پہنچے — انسپکٹر
جمشید سیدھے اس چیز کی طرف گئے — وہ کمرۂ واردات
کی الماری میں رکھی تھی — پہلے کسی نے بھی اس کی
طرف دھیان نہیں دیا تھا — سوائے انسپکٹر جمشید کے — لیکن
انھوں نے ابرام خان کی موجودگی میں اٹھانا مناسب نہیں
سمجھا تھا — محمود، فاروق، فرزانہ اور خان رحمان نے
حیرت بھری نظروں سے اس کو دیکھا — وہ شیشے کا
ایک بہت نفیس قسم کا گلاس تھا — جب کہ گھر میں باقی
گلاس بہت گھٹیا قسم کے تھے۔

"آخر اس گلاس میں آپ کو کیا خاص چیز نظر آئی۔"
فرزانہ بولی۔

"میں تم سے پوچھتا ہوں — گھر میں یہ گلاس دوسرے
گلاسوں سے مختلف کیوں ہے۔"

"کسی سے مل گیا ہو گا — یا کباڑی کی کسی دکان سے
اس نے اڑا لیا ہو گا — آخر کو باروتان ایک پرانا

جرائم پیشہ تھا۔" محمود نے خیال ظاہر کیا۔

"ہاں! یہ بات ہو سکتی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس نے صرف ایک گلاس کیوں اڑایا۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر پوچھا۔

"دوسرا گلاس اڑانے کا موقع نہیں ملا ہوگا۔" فاروق نے کہا۔

"یا پھر اسے ایسے صرف ایک گلاس کی ضرورت ہو گی۔ تم دیکھ رہے ہو۔ میں نے اس گلاس کو بہت احتیاط سے اٹھایا ہے۔"

"اوہ۔ تت۔ تو کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس پر کسی کی انگلیوں کے نشانات ہیں۔" محمود زور سے چونکا۔

"اب تم بات سمجھے۔ اس کے ہاں کوئی خاص مہمان آنے والا تھا۔ اس نے سوچا۔ اس خاص مہمان کو اگر پانی پلانا پڑ گیا تو کیا ان گندے گلاسوں میں پلائے گا۔ لہذا اس نے ایک گلاس چرا لیا۔ اب فرض کر لیتے ہیں کہ وہ مہمان آیا تھا۔ اور اس نے اس گلاس میں پانی بھی پیا تھا۔ تو کیا مزا نہ آ

جائے گا۔ کیوں کہ میں گلاس پر انگلیوں کے نشانات دیکھ رہا ہوں۔"

"ہو سکتا ہے۔ نشانات خود باروتان کے ہوں۔"

"بہت جلد یہ بات معلوم ہو جائے گی۔"

انھوں نے گلاس کو ایک کاغذ میں لپیٹا اور گھر سے نکل آئے۔

"اگر آپ یہ گلاس ابرام خان کے سامنے ہی اٹھا کر اکرام کے حوالے کر دیتے تو شاید وہ اس کی طرف توجہ بھی نہ دیتا۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔ ظاہر ہے۔ اسے توجہ دینے کی بھلا ضرورت بھی کیا تھی۔ لیکن میں اپنے اصول کے ہاتھوں مجبور تھا۔"

وہ سیدھے لیبارٹری پہنچے۔ گلاس انھیں دیا۔ چند منٹ بعد ہی رپورٹ ان کے سامنے رکھ دی گئی۔ اس پر لکھا تھا:

"گلاس پر کسی نامعلوم آدمی کی انگلیوں کے نشانات موجود ہیں۔ یہ نشانات باروتان کے ہرگز نہیں ہیں۔"

"چلو ایک چیز تو ہاتھ لگی۔ ہو سکتا ہے۔ یہ

نشانات اہم ثابت ہوں ۔" انھوں نے کہا اور انگلیوں کے نشانات لیبارٹری سے لینے کے بعد وہ وہاں سے نکل آئے۔

"اگرچہ آج کا کام اس سلسلے میں ختم ہے۔ لیکن ہم آرام نہیں کر سکتے ۔ پروفیسر صاحب کو اغوا کیا گیا ہے ۔ اور ہم آرام کریں ۔ ناممکن ۔ ہم شہر کی خاک چھانیں گے ۔ کیا خیال ہے ۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"بہت نیک ۔ بلکہ اس سے نیک خیال ہو ہی نہیں سکتا ۔"

تمام رات انھوں نے پروفیسر صاحب اور شائستہ کی تلاش میں گزار دی ، لیکن وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکے ۔ اگرچہ اس مہم میں اکرام اور اس کے ماتحتوں نے بھی ان کا ساتھ دیا تھا اور انھوں نے شہر کے بدنام قسم کے علاقوں پر چھاپے مارے تھے ۔ صبح کے قریب انسپکٹر جمشید نے خیال ظاہر کیا :

"نہیں بھئی ۔ یہ کام کسی معمولی مجرم کا نہیں ۔ انھیں بہت سوچ سمجھ کر اغوا کیا گیا ہے ۔ اور وہ کوئی عام مجرم بھی نہیں ہے ۔"

"ابا جان ! آپ گھر فون کر لیں ۔ شاید کوئی پیغام

ہو ۔" فرزانہ نے خیال دلایا۔

"اوہ ہاں ! یہ بھی ٹھیک ہے ۔"

انھوں نے گھر فون کیا ۔ ایسے میں محمود کو یاد آیا ۔ وہ ایک کام کرنا بھول گئے تھے ۔ مکان کی رجسٹریشن کے پرانے کاغذات انھوں نے نہیں نکلوائے تھے ۔ تاکہ جان سکتے کہ حویلی بارو تان کے ہاتھ کس طرح لگی تھی۔

"ہیلو بیگم ۔ ہمارے لیے کوئی پیغام تو نہیں ۔" یہ کہہ کر وہ دوسری طرف کی بات سننے لگے ، پھر انھوں نے یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا :

"اوہو ۔ اچھا ۔"

"خیر تو ہے ابا جان ۔"

"ابرام خان کے گھر پرنس داراب پہنچ چکا ہے ۔ اور حویلی کی رجسٹری کرانے کا مطالبہ کر رہا ہے ۔ ہمیں اس کی مدد کے لیے جانا ہو گا ۔"

"اور ہم نے رجسٹریشن آفس سے کاغذات نہیں نکلوائے ۔"

"یہ کام میں اکرام کے ذمے لگاتا ہوں ۔"

اکرام کو اس طرف روانہ کر کے وہ ابرام خان کے ہاں پہنچے ۔ ابرام خان کا چہرہ انھیں بالکل تاریک

نظر آیا — آنکھوں میں خوف بھی تھا۔

"خیر تو ہے جناب۔"

"اندر — چل کر دیکھ لیجیے — آپ لوگوں کی وجہ سے میں کس مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہوں۔"

وہ تیزی سے آگے بڑھے —

Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3

یا اللہ رحم

بڑے کمرے میں انھیں پرنس دلاب غصے میں بھرا نظر آیا — اس کے دائیں بائیں دو آدمی جدید طرز کی رائفلیں تانے کھڑے تھے — سامنے والی کرسی پر ایک بارعب قسم کا آدمی مونچھوں پر تاؤ دے رہا تھا، جونہی وہ اندر داخل ہوئے، پرنس دلاب چہکا:

"اوہو — یہ آپ ہیں، اچھا ہوا، آپ آ گئے — میں، ورنہ میں تو اس شخص کو شوٹ ہی کروا دیتا۔"

"آپ اس وقت اپنی ریاست میں نہیں ہیں پرنس دلاب — یہاں اگر کسی کو قتل کرائیں گے تو گرفتار بھی کیے جائیں گے۔"

"وہ بعد کی بات ہے — پولیس ضرور ہمیں گرفتار کر لے گی، لیکن بعد میں اعلیٰ حکام ہماری رہائی کا حکم بھی تو دیں گے —" اس نے اکڑ کر کہا۔

"یہ آپ کی خوش فہمی ہے۔"

"خیر! میں اس بحث میں کیوں پڑوں — کیوں وکیل صاحب —" وہ مونچھوں والے کی طرف مڑا۔

"تو یہ آپ کے وکیل ہیں۔" انسپکٹر صاحب بولے۔

"بالکل ہیں — اور ان کا نام سرخاب خان ہے — کیسا پیارا نام ہے — یہ ہیں بھی آپ کے ملک کے وکیل میری ریاست کے نہیں ہیں — کیا سمجھے آپ۔"

"یہ کہ آپ بہت تیز تیز باتیں کرنے کے عادی ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"اس میں تو خیر کوئی شک نہیں — یہ عادت ہماری بچپن سے ہی ہے۔"

"فرمائیے — آپ لوگ کیا چاہتے ہیں۔"

"واہ! یہ بھی خوب رہی — ہم سے پوچھا جا رہا ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں — ارے میاں — کیا آپ نے کل ہم سے بیس لاکھ روپے کا چیک وصول نہیں کیا تھا — اب چل کر حویلی کی رجسٹری کرائیے نا — اسی لیے تو میں اپنے وکیل کو ساتھ لایا ہوں۔"

"ہوں! بات تو ٹھیک ہے — لیکن آپ نے کل بات کہی تھی — یہ کہ بنک آپ کا چیک نہیں لوٹائے گا۔"

"ہاں تو پھر —"

"بنک نے آپ کا چیک لوٹا دیا — لہٰذا اب یہ سودا نئے سرے سے ہو گا — ہماری بہت بے عزتی ہوئی ہے۔"

"غلط — بالکل غلط — بلکہ ناممکن — ہو ہی نہیں سکتا — بنک کے عملے کی کیا جرأت کہ ہمارا چیک لوٹا دے۔" پرنس نے بھنا کر کہا۔

"فون موجود ہے — تصدیق کر لیں۔"

پرنس نے انھیں تیز نظروں سے گھورا — اور پھر جلدی جلدی فون کرنے لگا — سلسلہ ملتے ہی اس نے کہا:

"ہیلو منیجر صاحب — پرنس داراب بول رہے ہیں ہم — یہ ہم نے کیا سنا ہے — ہمارا چیک آپ نے واپس کر دیا ہے — آپ جانتے ہیں — اس کی سزا کیا ہو گی —" یہ کہ وہ دوسری طرف کی بات سننے لگا — پھر اس نے حیرت زدہ انداز میں ریسیور رکھ دیا ۔ ۔ انسپکٹر جمشید کو گھورنے لگا — پھر بولا:

"آپ — آپ ذرا وہ چیک مجھے دکھائیں۔" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"ضرور جناب — کیوں نہیں — یہ لیجیے۔" انسپکٹر جمشید نے چیک جیب سے نکال کر اسے دے دیا۔

اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چیک پر کیے گئے اپنے دستخطوں کو دیکھا۔ پھر اس کا چہرہ تاریک ہوتا نظر آیا۔

"یہ۔ یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔ اس چیک پر تو ہمارے دوسرے بنک والے دستخط ہیں۔"

"یہی آپ سے غلطی ہوئی ہے جناب۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"لیکن ہم نے اس چیک پر یہ دستخط ہرگز نہیں کیے تھے۔ ہم بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ ہم نے زندگی میں یہ غلطی کبھی نہیں کی۔ ہرگز نہیں۔ ہم نہیں مان سکتے۔"

"لیکن بنک کا منیجر تو یہی کہتا ہے کہ آپ نے غلطی سے دوسرے دستخط کر دیے ہیں۔"

"نہیں۔ ہم نہیں مانتے۔"

"تب پھر آپ کو بتانا ہو گا۔ کہ اس چیک پر آپ کے دوسرے دستخط کیوں ہیں؟"

"وکیل صاحب۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ کیا معاملہ ہے؟"

"میری تو عقل دنگ ہے جناب۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ آپ نے دوسرے دستخط نہ کیے ہوں اور چیک پر موجود نہ ہوں۔" وکیل سرخاب خان

نے کہا۔

"اس بات پر حیرت مجھے بھی ہے۔ لیکن اس میں چکر ضرور ہے۔ مگر جب میں نے دستخط کیے تھے تو اچھی طرح غور کر لیا تھا کہ چیک پر اسی بنک والے دستخط کیے ہیں نا۔ کیونکہ مجھے پہلے ہی یہ شک ہو گیا تھا کہ یہ لوگ سودے سے پھر جائیں گے۔"

"ہم پھرے نہیں۔ آپ کا چیک کیش نہیں ہوا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"خیر۔ میں دوسرا چیک لکھ دیتا ہوں۔"

"نہیں جناب! اب یہ سودا نئے سرے سے ہو گا۔"

"خیر! میں اس کے لیے بھی تیار ہوں۔ بولیے۔ آپ حویلی کا کیا مانگتے ہیں۔" اس کی اکڑ یک دم ختم ہو گئی۔ اور وہ 'ہم' سے 'میں' پر اتر آیا۔

"اس دوران حویلی کی قیمت بہت بڑھ گئی ہے۔ آپ ابرام خان سے بات کر لیں۔ یہ جس قیمت پر حویلی فروخت کر دیں، ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

ابرام خان کا مارے حیرت کے برا حال تھا۔ وہ شاید سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس قدر آسانی سے

رشید اس سودے کو ختم کر دیں گے۔" اس نے
چونک کر ان کی طرف دیکھا اور بولا:
"میں ابھی حویلی فروخت نہیں کروں گا۔ حویلی کے گاہکوں
کی تعداد ہر آن بڑھ رہی ہے اور وہ قیمت بھی بڑھ
چڑھ کر لگا رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے۔ میں حویلی
کو نیلام کرنے کا پروگرام بنا لوں۔ نیلام میں آپ بھی
آ جائیے گا۔ اور بولی لگا دیجیے گا۔ جس کے مقدر کی
ہو گی۔ حویلی اسے مل جائے گی۔" ابرام خان بولا۔
"مجھے یہ بھی منظور ہے۔ حویلی میرے علاوہ کوئی نہیں خرید
سکے گا۔ آئیے وکیل صاحب۔ ہم چلیں۔"
یہ کہہ کر پرنس داراب اٹھ گیا۔ ایسے میں انسپکٹر
جمشید بولے:
"ایک منٹ جناب۔ کیا آپ میری ایک دو باتوں کا
جواب دیں گے۔"
"مجھے کوئی ضرورت نہیں جواب دینے کی۔"
"ہو سکتا ہے۔ بات آپ کے فائدے کی ہو۔"
انسپکٹر جمشید نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ پرنس نے چونک
کر ان کی طرف دیکھا اور پھر مڑتے ہوئے بولا:
"اچھا کہیے۔ کیا بات ہے۔"

"بہتر ہو گا۔ آپ ایک دو منٹ کے لیے اور تشریف رکھیں۔
کھڑے رہ کر بات کرنا اچھا نہیں لگتا۔"
"ہوں ٹھیک ہے۔" اس نے کہا اور بیٹھ گیا۔ وکیل
بھی بیٹھ گیا۔
"آپ وہ حویلی کیوں خریدنا چاہتے ہیں۔ اس میں کیا
خاص بات ہے۔"
"میں آپ کے اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔"
"کیا آپ جانتے ہیں۔ اس حویلی سے ایک خونی
تصویر ملی تھی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔
"نہیں۔ میں کسی تصویر کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"
"گویا آپ کوئی بات بتانا نہیں چاہتے۔ کیا آپ کے
والد صاحب زندہ ہیں؟"
"ہاں! بالکل زندہ ہیں۔"
"شکریہ! میں بہت جلد ان سے ملنے آ رہا ہوں۔" انسپکٹر
جمشید کا انداز دھمکی دینے والا تھا۔
"کیا مطلب؟" پرنس داراب بری طرح چونکا۔
"اس میں حیرت اور تعجب کی کیا بات ہے۔ میں
آپ کے والد سر سلطان داراب سے ملنا چاہتا ہوں۔"
"ضرور ملیے۔ مجھے اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔"

"اور میں انھیں بتاؤں گا کہ ہمارے ملک کے دارالحکومت
میں ایک حویلی ہے — اس حویلی سے ایک تصویر ملی تھی —
میں اس تصویر کے بارے میں انھیں تفصیل سے بتاؤں
گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آپ — آپ حد سے بڑھ رہے ہیں — میں آپ کو
یہ ظلم نہیں کرنے دوں گا — میں آپ کا راستا روکوں
گا۔" پرنس نے چیخ کر کہا۔

"ہم ان لوگوں میں سے نہیں — جو راستے کی رکاوٹوں
سے ڈر جائیں — ہم کل صبح سویرے ریاست کے لیے
روانہ ہوں گے — آپ ہمیں روکنے کی کوشش کر
دیکھیے گا۔"

"اچھی بات ہے — یہ میرے لیے اعلانِ جنگ ہے —
آئیے وکیل صاحب چلیں۔" اس نے سرخ ہو کر کہا۔

پھر وہ باہر نکل گئے۔

"اُف مالک — یہ سب کیا ہے —" ابرام خان نے اپنے
بال مٹھی میں جکڑ لیے۔

"ابرام خان — ایک بات مجھے آپ بھی بتائیں — آپ
کیا کام کرتے ہیں — شہر سے باہر اس حویلی کی جگہ کوٹھی
تعمیر کر کے آپ وہاں رہائش کیوں اختیار کرنا چاہتے تھے؟"

"میں ایک آرٹسٹ ہوں — اور آرٹسٹ لوگوں کو تنہائی بہت
عزیز ہوتی ہے — شہر کے ہنگاموں میں وہ اپنا کام بخوبی نہیں
کر سکتے۔"

"آپ کس قسم کے آرٹسٹ ہیں؟"

"تصاویر بناتا ہوں — بہت بڑی بڑی تصاویر — لوگوں
کے پورٹریٹ — میرا کاروبار بہت ترقی پذیر ہے — لوگوں
کا خیال ہے — میں بہت اچھا آرٹسٹ ہوں۔"

"ہوں — ٹھیک ہے — یہ بات تو واضح ہو گئی —
اور اسی لیے جب آپ کو حویلی میں وہ تصویر ملی —
تو آپ نے آرٹ گیلری کا رخ کیا؟"

"یہاں ایک بات کی وضاحت کر دوں — تصویر گیلری
میں خود نہیں لے گیا تھا — میں نے ایک دوست
کے ذریعے بھیجی تھی — کیونکہ گیلری والے مجھے اچھی
طرح جانتے ہیں — کم قیمت دینے کی کوشش کرتے،
تاہم دوست نے میرے کہنے پر فروخت کرنے والے
کا نام میرا ہی لکھوایا تھا — یہ اور بات ہے کہ
گیلری والوں نے میرے دوست کو ہی ابرام خان
خیال کیا۔"

"بہت خوب — آپ کے دوست کا نام؟"

"رانا ایاز۔" اس نے فوراً کہا۔

"ان کا پتا بھی بتا دیں۔"

"کیوں ۔۔ کیا اس سے بھی ملاقات کرنے کا ارادہ ہے۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! ہم جب کسی کیس پر کام کرتے ہیں، تو اس کے بارے میں چھوٹی سے چھوٹی بات بھی نظرانداز نہیں کرتے۔"

"ہوں! ٹھیک ہے ۔۔ ضرور ملیے ۔۔ وہ سرور روڈ پر رہتے ہیں ۔۔ کوٹھی نمبر ۷۰۳ ہے۔"

"بہت بہت شکریہ۔" وہ بولے۔

فاروق نے نام پتا نوٹ کر لیا۔

"میری الجھن بھی رفع کرتے جائیے ۔۔ آخر آپ نے چیک والا چکر کس طرح چلایا ۔۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے ۔۔ چیک پر پرنس نے یہ دستخط نہیں کیے تھے ۔۔ جو اس وقت ہیں ۔۔ یہ بات تو ذہن میں آ سکتی ہے کہ آپ نے کسی لوشن سے وہ دستخط مٹا دیے اور ان کی جگہ دوسرے کر دیے ۔۔ سوال یہ ہے کہ آپ پرنس کے وہ دستخط کرنے میں کس طرح کامیاب ہو گئے ۔۔ جو دوسرے بنک کے ہیں۔"

"یہ جاسوسی راز ہیں ۔۔ جو بتائے نہیں جاتے ۔۔

میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ میرے کیے ہوئے سودے کے مطابق پرنس آپ سے حویلی نہیں خرید سکتے ۔۔ اور دیکھ لیں ۔۔ ایسا ہو گیا ۔۔ آؤ بھئی چلیں۔"

وہ اٹھ کھڑے ہوئے ۔۔ جونہی باہر نکلے ایک بڑی کار آ کر رکی اور اس میں سے کچھ لمبے تڑنگے نوجوان اترے ۔۔ ان کے تیور بہت خطرناک تھے ۔۔ انھیں دیکھ کر ایک بولا:

"ابرام خان اندر ہے۔"

"ہاں ہے ۔۔ خیر تو ہے ۔۔ آپ لوگ بہت غصے میں دکھائی دیتے ہیں۔"

"تم سے مطلب!" ان میں سے ایک نے تلملا کر کہا۔

"ٹھیک ہے بھائی ۔۔ ہم سے بھلا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔" فاروق نے کانپ کر کہا۔

انھوں نے قہقہہ لگایا اور آگے بڑھ گئے ۔۔ ابرام خان دروازہ اندر سے بند کرنے نہیں آیا تھا ۔۔ لہذا وہ بے دھڑک اندر گھستے چلے گئے۔

ان کے ارادے اچھے نہیں لگتے ۔۔ کہیں یہ لوگ ابرام خان کے ساتھ کوئی زیادتی نہ کریں ۔۔ کیا خیال ہے ۔۔ ذرا ان کی بات بھی سن لیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں ٹھیک ہے۔" محمود نے فوراً کہا۔ فاروق نے بُرا سا منہ بنایا۔

وہ آگے بڑھے اور دبے پاؤں اندر والے کمرے تک پہنچ گئے۔ انھوں نے سنا۔ ان میں سے ایک کہہ رہا تھا:

"ابرام خان۔ زندگی چاہتے ہو یا موت۔"

"تم لوگوں کا دماغ تو نہیں چل گیا۔ بھلا کوئی موت بھی چاہتا ہے۔"

"تب پھر حویلی ہمارے حوالے کر دو۔ صرف بیس ہزار میں فروخت کر دو۔ اسی وقت معاہدے پر دستخط ہوں گے۔ ورنہ ہم تمھیں خون میں نہلا دیں گے۔ تم نہیں جانتے۔ ہم کون ہیں۔"

"خبردار۔ میری طرف بڑھنے کی کوشش نہ کرنا۔ ورنہ میں ایک ایک کو ٹھکانے لگا دوں گا۔" ابرام خان گرجا۔ اس کی آواز سن کر انھیں حیرت ہوئی۔ آواز میں رعب بھی تھا اور بے خوفی بھی۔

"کیا پدی۔ کیا پدی کا شوربا۔ پکڑ لو اسے۔" ایک نے بلند آواز میں کہا۔

"خبردار! میرے ہاتھ میں پستول ہے۔ اور میں بہترین نشانہ باز ہوں۔" ابرام خان گرجا۔

"اوہو۔ کمال ہے۔ تو تمھارے پاس پستول بھی ہے۔ ذرا چلا کر دکھاؤ۔ پستول چلایا بھی ہے کبھی۔" طنزیہ لہجے میں کہا گیا۔

"ادھر تم نے آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ ادھر میں نے پستول چلایا۔ اس بات کو یاد رکھنا۔"

"بہت اچھا۔ ہم یہ بات یاد رکھیں گے۔ بلکہ اور بھی بہت سی باتیں یاد رکھیں گے۔ چلو بھئی آگے بڑھ کر اس آرٹسٹ کے بچے کو پکڑ لو۔"

اچانک کمرے میں ایک فائر کی آواز گونجی۔ ساتھ ہی ایک چیخ بھی ابھری۔ وہ بری طرح بوکھلا گئے۔ اندر جنگ شروع ہو چکی تھی۔ اب وہ دخل دیے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ انھوں نے دروازے کو دھکیلا تو وہ اندر سے بند تھا۔ محمود نے اس کو زور سے دھڑ دھڑایا۔

"کون ہے۔" غنڈوں میں سے ایک نے کہا۔

"وہی۔ جن سے دروازے پر ملاقات ہوئی تھی۔ تم لوگ مسٹر ابرام خان کو پریشان نہیں کر سکتے۔ دروازہ کھول کر پہلے ہم سے دو دو ہاتھ کر لو۔"

"خیر۔ تم سے بھی نبٹ لیتے ہیں۔" ان الفاظ کے ساتھ قدموں کی آواز سنائی دی۔ انسپکٹر جمشید نے انھیں

اشارہ کیا — وہ سامنے سے ہٹ گئے — اور باقاعدہ پوزیشن سنبھال
لی — جونہی دروازہ کھلا — تین فائر ایک ساتھ ہوئے — لیکن وہ
تو سامنے تھے ہی نہیں گولیاں کس طرح لگتیں۔

"ہائیں! یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے —" ایک نے حیران
ہو کر کہا۔

"باہر نکل کر دیکھو — جانے نہ پائیں — انھوں نے ہماری
باتیں سن لی ہیں۔" کسی نے غرّا کر کہا۔

"آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو۔" ابرام خان نے جھلا
کر کہا۔

"حویلی —" اس آدمی نے کہا۔

اس کے ساتھی کمرے سے نکل آئے — لیکن پھر اوندھے
منہ گرے — اور ادھر انسپکٹر جمشید نے کمرے کے اندر چھلانگ
لگائی — وہ عین اس کے سینے سے ٹکرائے — جو اندر رہ گیا
تھا — اس کے منہ سے ایک پُرخوف چیخ نکلی۔

"یہ کیسی آواز تھی ابا جان —" باہر سے فاروق چہکا —
وہ ایک حملہ آور کی مرمت لاتوں اور گھونسوں سے کر رہا تھا۔

"تم اپنا کام کرو — اور ذرا جلدی فارغ ہو جاؤ۔" انھوں
نے کمرے والے حملہ آور کے پستول پر قبضہ کرتے ہوئے کہا۔

جلد ہی حالات ان کے قابو میں تھے — ابرام خان

نے جس پر گولی چلائی تھی — اس کا صرف کندھا زخمی
ہوا تھا —

"اب کیا پروگرام ہے دوستو —" انسپکٹر جمشید نے انھیں
بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"حویلی — لے کے رہیں گے — چاہے کچھ ہو جائے۔"

"آخر اس حویلی میں ایسی کیا بات ہے — کہیں اس میں
سرخاب کے پَر تو نہیں لگ گئے۔" فرزانہ بولی۔

"سرخاب کے پَر کیا چیز ہوتی ہے؟" زخمی نے
ہنس کر کہا۔

"تم لوگ کس کے لیے کام کر رہے ہو؟"

"ہم کسی کے لیے کیوں کام کریں گے — اپنے لیے
کرتے ہیں — میں اس شہر کا بہت بڑا غنڈہ ہوں اور
میرا نام کالو بدمعاش ہے — مجھے مسٹر تم۔" اس نے
فخریہ انداز میں کہا۔

"کبھی نام نہیں سنا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"چلو — اب تو سن لیا — ہمیں چھوڑ دو اور ابرام خان
سے بات کر لینے دو — اس میں تم لوگوں کی بھلائی ہے۔"

"فاروق اکرام کو فون کرو — انھیں بڑے گھر کی
سیر کراتے ہیں۔"

"بڑا فگر — کیا مطلب —" کالو بدمعاش زور سے چونکا۔

"بے وقوف — یہ انسپکٹر جمشید ہیں۔"

"کیا — ارے باپ رے — میں بھی کہوں — یہ ہم کس طرح کیوں پکڑے گئے — ہم — معاف کر دیں جناب۔ غلطی ہو گئی — آئندہ ایسی کوئی حرکت نہیں کریں گے۔ اور نہ کبھی حویلی کا نام زبان پر لائیں گے۔"

"تمہیں یہ بتانا ہو گا — کہ حویلی میں دلچسپی لینے کی کیا وجوہات ہیں۔"

"جرائم پیشہ لوگوں میں اس حویلی کے بارے میں بہت ہی عجیب و غریب باتیں ہو رہی ہیں — ہر کوئی یا تو اس کو خرید لینا چاہتا ہے — یا زبردستی حاصل کر لینا چاہتا ہے۔"

"وہ عجیب و غریب باتیں کیا ہیں — ان میں سے چند ایک تو ہمیں بھی سنا دو۔" محمود نے منہ بنایا۔

"ان کا خیال ہے — یہ حویلی — پرنس داراب کے دادا کی ہے۔"

"کیا!!!"

ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا — انھیں حیرت کا ایک جھٹکا لگا تھا۔

"اس خیال کی وجہ کیا بات بنی ہے۔" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

"حویلی سے کوئی تصویر ملی ہے — وہ تصویر کسی گیلری کو فروخت کی گئی — وہاں سے کسی پروفیسر صاحب نے خرید لی۔ لیکن اس دوران اس تصویر کو گیلری کی سیر کرنے والے بہت سے ماہرین دیکھ چکے تھے، ان ماہرین میں جرائم پیشہ ماہرین بھی تھے۔ بس دوڑ لگ گئی — اب ہر کوئی حویلی حاصل کر لینا چاہتا ہے۔ ان کا خیال ہے — اس میں کوئی بہت بڑا خزانہ موجود ہے۔ کیونکہ پرنس داراب کے دادا کے بارے میں بہت عجیب و غریب کہانیاں مشہور ہیں۔"

"یا اللہ رحم — کیا تم وہ کہانیاں بھی جانتے ہو۔" ابرام خان دھک سے رہ گیا۔

"نہیں — وہ کہانیاں ہمیں نہیں معلوم — نہ معلوم کرنے کی فرصت تھی — بس ہم نے سوچا — کسی طرح حویلی پر قبضہ کر لیا جائے — کہانیاں بعد میں سن لی جائیں گی۔"

اسی وقت فاروق واپس آتا نظر آیا — اس کا چہرہ دودھ کی طرح سفید تھا —

انوکھا طریقہ

"تمہیں کیا ہوا — فون نے کاٹ کھایا ہے کیا؟" فرزانہ
نے بے چینی کے عالم میں کہا۔

"ہم — میں فون کرنے کے لیے باہر نہیں جا سکا"
وہ بولا۔

"کیوں — کیا ہوا — کیا پیروں میں مہندی لگا لی ہے"
محمود نے منہ بنایا۔

"نہیں — کسی نے دروازے باہر سے بند کر دیے ہیں"

"کیا مطلب؟"

"وہ کوٹھی کے چاروں طرف پٹرول چھڑک چکے ہیں۔
فون کے تار کٹے دیکھ کر میں نے باہر کا رخ کیا تھا"
اس نے جلدی جلدی کہا۔

"اور وہ پٹرول کیوں چھڑک رہے ہیں؟"

"ان کا مطالبہ ہے — ابرام خان کو باہر بھیج دیا جائے —

ورنہ کوٹھی کو آگ لگا دی جائے گی اور اندر موجود تمام لوگ
جل کر راکھ ہو جائیں گے۔"

"ٹھہرو — پہلے میں ان سے بات کر لوں۔"

انسپکٹر جمشید نے کہا اور دروازے پر آئے — منہ دروازے
سے لگا کر انھوں نے بلند آواز میں کہا:

"باہر کون لوگ موجود ہیں؟"

"ہمیں اپنے نام بتانے کی ضرورت نہیں — ہمیں صرف مسٹر
ابرام خان چاہییں — انہیں باہر بھیج دو۔"

"لیکن کس طرح بھیج دیں — دروازہ تو باہر سے
بند ہے۔"

"اس کی ترکیب ہم کر چکے ہیں — ابرام خان کو چاہیے کہ
چھت پر چڑھ کر باہر کی طرف چھلانگ لگا دے۔"

"ہائیں تو کیا تم لوگوں کو ٹوٹے پھوٹے مسٹر ابرام خان
چاہییں۔" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"نہیں! ہم نے باہر انتظام کر رکھا ہے — انھیں چوٹ
نہیں آئے گی۔"

"اچھی بات ہے — ہم انھیں چھت سے نیچے دھکا دے
دیتے ہیں — یہ خود تو چھلانگ لگائیں گے نہیں — اور ان
کے ساتھ دوسروں کو بھی مرنا پڑ جائے گا۔"

"واہ! تم تو بہت عقل مند آدمی نظر آتے ہو۔" باہر سے
... نے کہا۔

"یہ — یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں — مجھے چھت سے نیچے
دھکا دیں گے — وہ لوگ نہ جانے میرے ساتھ کیا سلوک کریں۔"

"بہت اچھا سلوک کریں گے — بس سیدھی سی بات ہے۔
حویلی طلب کریں گے — آپ انھیں وہ منحوس حویلی دے دیجیے
گا — پھر یہ آپ کو کچھ نہیں کہیں گے۔"

"یہ — یہ آپ کہہ رہے ہیں —" اس کے لہجے میں
حیرت تھی۔

"ہاں بالکل! میں ہی کہہ رہا ہوں — دیکھیے نا — سب کے
جل مرنے سے تو یہی بہتر ہے۔"

"اچھی بات ہے — اگر آپ کی بھی یہی خوشی ہے تو میں
چھلانگ لگا دیتا ہوں۔" ابرام خان نے بے چارگی کے
عالم میں کہا۔

"بہت بہت شکریہ۔" انسپکٹر جمشید خوش ہو گئے۔

وہ اسے لے کر چھت پر آئے — سردیوں کی رات تھی —
رات کے ابتدائی حصے سے ہی یوں محسوس ہونے لگتا تھا کہ
گویا آدھی رات ہو گئی ہو — باہر ہُو کا عالم تھا — انھوں
نے نیچے جھانکا — کچھ لوگ پوزیشن لیے نظر آئے — انھیں

چھت پر دیکھ کر وہ بولے:

"کوئی غلط حرکت کی گئی تو نتیجے کے ذمے دار خود ہوں
گے — ہم نے نیچے جال باندھ دیا ہے — صرف ابرام خان
چھلانگ لگائیں گے — اگر ان کی بجائے کسی اور نے چھلانگ
لگائی تو نیچے آنے سے پہلے ہی اس کا جسم گولیوں سے
چھلنی ہو جائے گا۔"

"تم لوگ مسٹر ابرام خان کا کرنا کیا چاہتے ہو؟"

"ابرام خان — کو اپنے ساتھ لے جائیں گے اور بس۔"

"ہماری سمجھ میں یہ بات اب تک نہیں آئی کہ ابرام
خان کو لے جا کر تم حویلی پر کس طرح قبضہ کر سکتے ہو؟"

"یہ باتیں تمھاری سمجھ میں آئیں گی بھی نہیں —"
نیچے سے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"تو پھر — آپ سمجھا دیں نا۔" فاروق مسکرایا۔

"ہم تمھارے ملازم نہیں ہیں — اب ہم مزید انتظار نہیں
کر سکتے — جاؤ — دیا سلائی رگڑو۔" نیچے سے غرا کر کہا گیا۔

"ٹھہرو — میں آ رہا ہوں —" ابرام خان نے کانپ کر کہا
اور پھر نیچے گر گیا — ساتھ ہی خوف کی وجہ سے اس کے
منہ سے چیخ بھی نکلی تھی۔

ابرام خان کے نیچے گرتے ہی جال سمیٹ لیا گیا اور پھر

بھنک کی آواز سنائی دی۔

کوٹھی کے چاروں طرف آگ بھڑک اٹھی — وہ گھبرا گئے۔ [illegible]
نے بہت اچھا وار کیا تھا — اسی وقت ایک وین کے سٹارٹ ہونے
کی آواز سنائی دی — وین کوٹھی سے قدرے فاصلے پر کھڑی کی
گئی تھی — ان کے دیکھتے ہی دیکھتے وین یہ جا وہ جا۔

"اب کیا کریں بھئی؟"

"نیچے چھلانگ لگانے کے سوا ہم کیا کر سکتے ہیں۔" محمود
بے چارگی کے عالم میں بولا۔

"لیکن اس طرح ہمارے جسم کے کچھ حصے ضرور ٹوٹ پھوٹ
جائیں گے — اور ہم نیچے بھی تو کچھ لوگوں کو چھوڑ آئے
ہیں — اگرچہ وہ جرائم پیشہ ہیں — لیکن ہیں تو انسان — ان
کا کیا کریں؟"

"انھیں بھی اوپر لے آتے ہیں اور نیچے چھلانگیں لگا
دیتے ہیں — جل مرنے سے ٹوٹ پھوٹ جانا بہتر رہے
گا — ڈاکٹر صاحب مرمت کر ہی دیں گے ہماری —" فاروق
نے خوش دلی سے کہا۔

انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔

"بہت خوب فاروق — ایسے لمحات میں تمھاری زندہ دلی مجھے
ہمیشہ بہت حوصلہ بخشتی ہے — جاؤ — جلدی کرو — ان لوگوں

کو بھی اوپر لے آؤ — ہم — مگر نہیں — مجھے بھی جانا ہوگا —
زخمی کو تو ساتھ اٹھا کر لانا پڑے گا۔"

انھوں نے نیچے کا رخ کیا — اوپر جاتے وقت وہ کمرہ
بند کر گئے تھے — دروازہ کھلتے ہی فاروق نے ان
سے کہا:

"ان لوگوں نے حویلی کو آگ لگا دی ہے — فوراً اوپر
پہنچو — ہمیں نیچے چھلانگیں لگانا ہوں گی — ورنہ ہمارے
جلے ہوئے کباب تیار ہو جائیں گے۔"

"ارے باپ رے —" کالو بدمعاش نے گھبرا کر کہا۔

"اور آپ تو ویسے بھی کالو بدمعاش ہیں — آپ کے
کباب تو زیادہ ہی کالے ہو جائیں گے —"

"یار چپ رہو۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

زخمی کی حالت واقعی خراب تھی — وہ نیم بے ہوش تھا —
انسپکٹر جمشید کو اسے کندھے پر اٹھانا پڑا — اس کے ساتھی
تو اسے چھوڑ کر اوپر بھاگ کھڑے ہوئے تھے — یہ بات
اس نے نیم بے ہوشی کی حالت میں بھی محسوس کر لی — اس
کے چہرے پر شدید تکلیف کے آثار ابھرے — لیکن منہ
سے کچھ نہ بولا — آخر وہ بھی اوپر آ گئے —

اب کوٹھی کے ارد گرد بے شمار لوگ جمع ہو چکے تھے —

کوٹھی دھڑا دھڑ جل رہی تھی — انھوں نے نیچے جھانکا — لوگ انھیں
کود پڑنے کا اشارہ کر رہے تھے — انھوں نے نیچے کپڑوں
اور گدوں کا ڈھیر بچھا دیا تھا۔

اور پھر انھوں نے چھلانگیں لگا دیں — اونچائی اس قدر
زیادہ نہیں تھی کہ چوٹ ضرور آتی — پھر گدوں وغیرہ کی وجہ
سے بھی کچھ بچت ہو گئی — اتنے میں فائر بریگیڈ کی آواز
سنائی دی — پھر پولیس کی گاڑیوں کی آوازیں بھی آنے لگیں۔

جب تک آگ پر قابو پایا گیا — کوٹھی جل کر راکھ ہو
گئی — ان لوگوں کو پولیس کی وین میں دفتر لے جایا گیا —
کالو بدمعاش اور اس کے ساتھی ان کے ساتھ تھے۔

"اکرام! انھیں جانتے ہو؟"

"یس سر — یہ کالو بدمعاش ہے — بہت اکڑوں کرتا پھرتا
ہے — یہ وہاں کیا کر رہا تھا؟"

"یہ بھی حویلی کے چکر میں تھے — کالو صاحب — اب بھی
کچھ بتاؤ گے یا نہیں؟"

"کیوں! اب کیا ہو گیا ہے —" اس نے نفرت زدہ
انداز میں کہا۔

"ہم — میں بتاؤں گا — میں —" زخمی نے کانپتی آواز میں کہا۔

"خبردار — جو انھیں ایک لفظ بھی بتایا — وکیل صبح ہی ہماری

ضمانتیں کرا لے گا — ہم پھر سے حویلی حاصل کرنے کی کوشش
کر سکیں گے۔"

"خواب خیالی ہے تمھاری — بے چارے وکیل کی کوشش
بے کار جائے گی۔"

"دیکھا جائے گا۔" کالو بولا۔

"کچھ بھی ہو — میں ان کا احسان مند ہوں — اگر یہ مجھے
اٹھا کر اوپر نہ لے جاتے تو میں تو جل بھن گیا تھا —
تم لوگ تو مجھے نیچے چھوڑ کر اوپر چلے گئے تھے —" اس نے
جلدی جلدی کہا۔

"بہت خوب — اکرام ان لوگوں کو یہاں سے ہٹا دو —
صرف زخمی کو رہنے دو۔"

"او کے سر —" اکرام نے کہا اور اپنے ماتحتوں کو اشارہ
کیا —

"تمھیں اس غداری کی سزا ملے گی — یہ نوٹ کر لو۔" کالو
بدمعاش نے جل کر کہا۔

"اس وقت بے چارے میں نوٹ کرنے کی ہمت نہیں
ہے۔" فاروق نے کہا۔

انھیں لے جایا گیا — اب وہ زخمی کے ساتھ کمرے میں
رہ گئے —

"ہاں بھئی — تم کیا بتانا چاہتے ہو؟"

"کالو کسی نامعلوم آدمی کے لیے کام کرتا ہے — ہم یہ نہیں جانتے کہ وہ آدمی کون ہے — لیکن یہ حقیقت ہے، کافی عرصہ ہو گیا — اب یہ اسی کے لیے کام کرتا ہے — جو احکامات اس کی طرف سے ملتے ہیں، ان پر ہمارے ذریعے عمل کرتا ہے — اور ہمیں ہر ماہ تنخواہ دیتا ہے — خود اس سے کیا وصول کرتا ہے — یہ ہمیں معلوم نہیں۔"

"ہوں — حویلی کے بارے میں بھی کچھ بتاؤ نا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اسی نے حکم دیا تھا — ہمارے سامنے اس کا پیغام وائرلیس سیٹ پر آیا تھا، اس نے کہا تھا کہ ابرام خان سے ہر قیمت پر حویلی خریدنے کی کوشش کرو اور اگر وہ فروخت کرنے پر آمادہ نہ ہو تو پھر اس سے زبردستی حاصل کرنے کی ترکیب کرو — اور جو بھی نتیجہ نکلے، اس سے مجھے باخبر کرو۔"

"بہت خوب! کیا تم ہمیں کالو بدمعاش کے گھر تک لے جا سکتے ہو؟"

"جی ہاں! کیوں نہیں۔"

"اور وہاں وہ وائرلیس سیٹ بھی ہے؟"

"بالکل — ایک خفیہ الماری میں — لیکن میں اس کو کھول سکتا ہوں۔"

"تو پھر آؤ — اس طرح کم از کم ہم کالو کے باس کی آواز تو سن ہی سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید اٹھتے ہوئے بولے۔

"لیکن جمشید — ہم پروفیسر صاحب اور شائستہ کے لیے کیا کر رہے ہیں؟"

"یہ سب کچھ ان تک پہنچنے کے لیے ہی تو کر رہے ہیں — ویسے تو پولیس پارٹیاں کام کر رہی ہیں — لیکن تم جانتے ہی ہو — ہمارا طریقۂ کار مختلف ہے۔"

"لیکن جمشید — وقت کافی گزر چکا ہے — وہ لوگ ان کے ساتھ نہ جانے کیا سلوک کریں۔" خان رحمان پریشانی کے عالم میں بولے۔

"بھئی — پروفیسر صاحب اور ان کے ساتھیوں کو اغوا کرنے سے ان کا مقصد صرف اور صرف یہ تھا کہ ہم ان سے وہ بات معلوم نہ کر سکیں جو بتانے کے لیے انھوں نے ہمیں بلایا تھا — اور جس پر انھیں مزا آ گیا تھا — نہ جانے وہ کیا بتانا چاہتے تھے۔"

"کم از کم ایک بات کا مجھے یقین ہے کہ وہ اس تصویر کے بارے میں ہی کچھ بتانا چاہتے تھے۔"

"ہاں! امکان زیادہ اسی کا ہے۔"

وہ زخمی کے ساتھ کالو کے مکان پر پہنچے۔ اس نے بتایا کہ کالو یہاں تنہا رہتا ہے۔ انھیں دروازے پر لگا تالا توڑنا پڑا۔ پھر وہ اس کمرے میں آئے جس میں وائرلیس سیٹ موجود تھا۔ زخمی نے سیٹ فوراً ہی ان کے سامنے کر دیا۔ انسپکٹر جمشید نے اسے آن کیا اور کالو کی آواز میں ہیلو ہیلو کرنے لگے۔ آخر چند منٹ بعد بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"ہاں! کیا بات ہے؟"

"میں کالو بول رہا ہوں سر۔"

"کتنی بار کہہ چکا ہوں۔ تم اس طرف سے ہرگز رابطہ قائم نہ کیا کرو۔ جب ضرورت ہو گی میں خود پیغام دے کر لوں گا۔ لیکن تم پھر بھی بے احتیاطی کر بیٹھتے ہو۔"

"سر۔ اس وقت مجبوری پیش آ گئی ہے۔"

"ہوں خیر۔ بتاؤ۔ اور یہ تمھاری آواز کو کیا ہو گیا ہے؟"

"گلا بیٹھ گیا ہے سر۔"

"کہو۔"

"سر۔ مسٹر اکرام خان تیار ہو گئے ہیں۔ وہ حویلی

فروخت کرنے پر آمادہ ہیں۔ لیکن قیمت بہت مانگتے ہیں۔"

"کیا بکواس ہے۔" دوسری طرف سے جھلا کر کہا۔

"جی۔ کیا مطلب۔ یہ آپ نے کیا کہا۔"

"تم فوراً میرے پاس آؤ۔ بیٹھ کر بات کریں گے۔"

دوسری طرف سے کہا گیا اور وائرلیس سیٹ بند ہو گیا۔

انسپکٹر جمشید نے ان کی طرف دیکھا۔

"ہم نے آواز ریکارڈ کر لی ہے۔ کم از کم ایک چیز مجرم کی ہمارے پاس محفوظ ہو گئی۔ کیا تم جانتے ہو بھئی۔ باس کہاں رہتا ہے۔"

"نہیں سر۔ میرے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں۔"

"لیکن کالو جانتا ہے۔ باس نے اسے یہی حکم دیا ہے کہ میرے پاس چلے آؤ۔ بیٹھ کر بات کریں گے۔"

"جی ہاں! وہ تو ضرور جانتا ہے۔"

"تب پھر ہمارا کام آسان ہو گیا۔" وہ مسکرائے۔

"نہیں جناب۔ کالو مر تو جائے گا۔ باس کا پتا نہیں بتائے گا۔"

"ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ آؤ۔"

وہ دفتر پہنچے۔ اکرام کے ذریعے کالو کو بلوایا گیا۔

"ہم تمھارے گھر گئے تھے کالو۔"

"اوہ! یہ غدار لے گیا ہو گا۔"

"یہ اب ہمارا ساتھی ہے — غدار تمھارے لیے ہو گا۔" محمود نے منہ بنایا۔

کالو نے کچھ نہ کہا۔ انسپکٹر جمشید ہی بولے:

"وائرلیس سیٹ پر میں نے تمھارے باس سے بات کی ہے — وہ تمھیں اپنے پاس بلا رہا ہے۔"

"اوہ!" اس کے منہ سے نکلا۔

"اب تم ہمیں وہاں لے جاؤ گے۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔"

"اچھا — تم ساتھ نہ جاؤ — صرف یہ بتا دو — ہمیں کہاں جانا ہو گا۔"

"نہیں بتا سکتا — باس مجھے کچا چبا جائے گا۔"

"اس قدر تیز ہاضمہ ہے اس کا —" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں!" اس نے فخریہ انداز میں کہا۔

"تب تو ہمیں اس سے دور ہی رہنا چاہیے۔" فاروق کانپ کر بولا۔

"یہ — یہ حضرت آپ کے بیٹے ہیں۔" کالو کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! ذرا بزدل قسم کے واقع ہوئے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے برا سا منہ بنایا۔

"آپ مجھ سے زبردستی نہ کریں — میں باس کا پتا نہیں بتا سکتا۔"

"تب پھر ہم تمھیں کمرۂ امتحان میں لے جائیں گے۔"

"باس میرا انتقام تم لوگوں سے ضرور لے گا۔"

"اس قدر عزیز ہو تم اسے۔"

"اسے اپنا ہر آدمی عزیز ہے — جو اس سے غداری نہ کرے — غدار کو وہ برداشت نہیں کرتا۔"

"پروفیسر داؤد اور ان کے ساتھی اس کی قید میں ہیں۔"

"اس بارے میں میرے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں — اس کے پاس کام کرنے والوں کی کوئی کمی نہیں — بے شمار لوگ کام کر رہے ہیں — چند آدمی سب کام نہیں کرتے۔"

"خیر — تو تم ہمیں اپنے باس کے پاس نہیں لے جا رہے۔"

"اس سے یہ کہیں بہتر ہے کہ میں آپ کے کمرۂ امتحان میں جان دے دوں۔"

"یہی تو مشکل ہے — وہاں تمھاری جان نہیں نکلے گی — جان عذاب میں اٹک کر رہ جائے گی۔"

"میں کیا کر سکتا ہوں — مجبور ہوں۔"

"چلو بھئی اکرام — لے چلو اسے، دیکھتے ہیں — اس میں قوت برداشت زیادہ ہے — یا ہمارے آلات میں۔"

"او کے سر۔"

اسے کمرۂ امتحان میں لایا گیا — ایک جدید ترین شکنجے میں اس کا سارا جسم کس دیا گیا اور پھر بجلی کے چند بٹن دبائے گئے — اس کا جسم شکنجے کے اندر تننا شروع ہوا۔ چہرہ بالکل سرخ ہو گیا — سرخ ہوتے ہوتے آخر اس کا چہرہ سیاہ پڑنے لگا — لیکن منہ اس کا نہ کھلا — یہاں تک کہ اس کی گردن لڑھک گئی — وہ بے ہوش ہو گیا تھا — انسپکٹر جمشید نے بٹن آف کرنے کا اشارہ کیا اور بولے،

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا اکرام۔"

"زبردست قوتِ ارادی کا آدمی ہے — اور پھر اسے یہ خوف ہے کہ باس بہت خوف ناک موت مارے گا۔"

"کیا ہم اس کے علاوہ کوئی آلہ نہیں آزما سکتے۔"

"ضرور ہم آزما سکتے ہیں — لیکن یہ ان کی تکالیف بھی سہ جائے گا — بے ہوش ہوتا جائے گا — لیکن بتائے گا کچھ نہیں۔"

"تب پھر میں اس پر ایک دیسی طریقہ آزماؤں گا۔"

"جی — دیسی طریقہ — کیا مطلب۔"

"اسے ایک تختے کے ساتھ جکڑ دیا جائے — اس طرح ر انچ کے دسویں حصے کے برابر بھی ادھر ادھر نہ ہو سکے۔"

"جی بہتر۔"

ان کی ہدایت کے مطابق اسے جکڑ دیا گیا — اس کے بعد انسپکٹر جمشید نے اس کی آنکھوں کے عین اوپر ایک گھڑیال بندھوایا — اب ایک آدمی کی ڈیوٹی لگائی گئی کہ ہر دو سیکنڈ بعد گھڑیال پر ضرب لگائی جائے —

گھڑیال پر ضربیں لگنا شروع ہوئیں — ٹن ٹن ٹن ہونے لگی — پہلے تو کالو بدمعاش ہوش میں آیا اور پھر اس نے حیرت زدہ انداز میں آنکھیں گھمائیں — پھر بولا:

"یہ کیا انسپکٹر صاحب۔"

"ہمارے جدید شکنجے نے اپنی ناکامی کا اعلان کر دیا تھا — لہٰذا میں ایک دیسی طریقہ اپنا رہا ہوں۔"

"دیسی طریقہ —" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

اس دوران ٹن ٹن بدستور جاری تھی۔

"ہاں! یہ ایک دیسی طریقہ ہے۔"

"لیکن اس سے بھلا کیا ہو گا — جب میں اس شکنجے میں نہیں بولا — تو یہ تو کوئی تکلیف ہی نہیں۔" اس نے مذاق اڑانے والے

انداز میں کہا۔

"ہم یہاں سے جا رہے ہیں کالو۔ گھڑیال بدستور بجتا رہے گا۔ آدھ گھنٹے سے بھی شاید پہلے تم بولنے پر آمادہ ہو جاؤ گے۔"

"ناممکن۔ مجھے تو کوئی تکلیف محسوس ہی نہیں ہو رہی۔ ہاں شکنجے کی تکلیف رونگٹے کھڑے کر دینے والی تھی۔"

"چلو خیر۔ اب آدھ گھنٹے بعد ملاقات ہو گی۔ آؤ بھئی چلیں۔"

وہ کمرۂ امتحان سے نکل آئے۔

"مجھے تو یہ طریقہ کامیاب ہوتا محسوس نہیں ہوتا جمشید۔" خان رحمان بے چینی کے عالم میں بولے۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

انسپکٹر جمشید نے فاروق اور فرزانہ کی طرف دیکھا۔ انھوں نے بھی خان رحمان اور محمود کی تائید میں سر ہلا دیے۔

"گویا تمھارا بھی یہی خیال ہے۔ کہ یہ طریقہ کامیاب نہیں ہو گا۔"

"جی ہاں!" وہ ایک ساتھ بولے۔

"کوئی بات نہیں۔ میرے پاس ابھی اور طریقے بھی ہیں۔"

"لیکن جمشید۔ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔ پروفیسر

صاحب کا مسئلہ ہے۔" خان رحمان چلائے۔

"میں جانتا ہوں خان رحمان۔ اور تم سے کم بے چین نہیں ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ میں اپنی بے چینی کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ میرے بس میں ہو تو ابھی اڑ کر پروفیسر صاحب کے پاس پہنچ جاؤں۔"

"آپ۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" فرزانہ نے گھبرا کر کہا۔

اور پھر آدھ گھنٹے بعد۔ کمرۂ امتحان کا دروازہ کھلا۔ اکرام تیر کی طرح ان کی طرف آیا۔ اس کے چہرے پر حیرت تھی۔ بلا کی حیرت۔ اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا:

"وہ چیخ چیخ کر باس کا پتا بتا رہا ہے۔ ہمارے پوچھے بغیر۔"

"کیا!!!" ان چاروں کے منہ سے نکلا۔ انسپکٹر جمشید مسکرا کر اندر کی طرف بڑھے۔

تان... تان

کالو بدمعاش کا پورا جسم بڑی طرح تنا ہوا تھا — رگیں پھولی ہوئی تھیں — اور وہ بڑی طرح چلاّ رہا تھا:

"میں کہتا ہوں — اس ٹن ٹن کو بند کرو — میں باس کا پتا بتا چکا ہوں — اب اس کی کیا ضرورت رہ گئی ہے — میرا دماغ پھٹ جائے گا — بند کرو — بند کرو۔"

"رک جاؤ بھئی —" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

ٹن ٹن بند ہو گئی — کالو کے چہرے پر سکون پھیل گیا —

"اُف مالک — یہ کیا تھا؟"

"جدید مشینوں اور شکنجوں میں کس کر آدمی آخر کو بے ہوش ہو جاتا ہے اور ہم بعض اوقات زبان کھلوانے میں ناکام ہو جاتے ہیں — لیکن یہ ایسا طریقہ ہے جس میں آدمی بے ہوش ہو ہی نہیں سکتا — اور چونکہ وہ ہل نہیں سکتا — اس لیے ٹن ٹن اسے اپنے اعصاب پر بڑی طرح محسوس

ہوتی ہے — بہت کم لوگ ہیں جو اس آواز کو آدھ گھنٹے سے زیادہ برداشت کر سکتے ہیں — ہاں تو اس نے کیا پتا بتایا؟"

"گل فشاں کالونی — کوٹھی نمبر ۹۰۰۔"

"مسٹر کالو — تم یہیں — اسی تختے پر رہو گے — اگر یہ کوٹھی باس کی ثابت نہ ہوئی تو ہم ٹن ٹن ایک بار پھر شروع کر دیں گے۔"

"نن — نہیں — میں نے پتا غلط نہیں بتایا — یہ اور بات ہے کہ باس تمھیں وہاں نہ ملے۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"کیا مطلب؟"

"وہ ہر وقت وہاں نہیں ملتا — عام طور پر کوٹھی کے دروازے پر تالا لٹکا رہتا ہے — جب مجھے اس کی طرف سے پیغام ملتا ہے — اس وقت میں وہاں جاتا ہوں اور وہ موجود ہوتا ہے — لیکن میں آج تک اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا — وہ پردے کے پیچھے بیٹھ کر بات کرتا ہے۔"

"کوئی بات نہیں — تمھاری بات کی تصدیق ہو جائے گی۔"

وہ وہاں سے گل فشاں کالونی پہنچے — کوٹھی نمبر ۹۰۰

کے دروازے پر تالا نظر آیا۔ کسی سے پوچھا گیا تو معلوم ہوا، یہ کوٹھی کسی شخص نے کرائے پر لے رکھی ہے۔ وہ کبھی کبھار ایک بند گاڑی میں آتا ہے۔ اس کے سر پر ایک بڑا سا ہیٹ، آنکھوں پر تاریک شیشوں والی عینک اور گلے میں رومال ہوتا ہے۔ گاڑی سے اتر کر وہ تالا کھولتا ہے۔ اور اندر چلا جاتا ہے۔ پھر کچھ لوگوں کی آمد و رفت شروع ہوتی ہے۔ اور آخر ایک یا دو گھنٹے اندر رہ کر وہ واپس چلا جاتا ہے۔ آج تک کوئی پڑوسی اس کے بارے میں کچھ اندازہ نہیں لگا سکا۔

یہ معلومات پراسرار تھیں اور کالو بدمعاش کے بیان کی تصدیق کر رہی تھیں۔ انھیں اندر کی تلاشی تو بہرحال لینا تھی۔ لہذا تالا توڑا گیا۔ سب اندر داخل ہو گئے۔ لیکن اندر انھیں مایوسی ہوئی۔ ایک کمرے میں ایک میز اور چند کرسیاں موجود تھیں۔ اس کمرے کے دروازے کے سامنے اندر کی طرف ایک اور دروازہ تھا۔ یہ دروازہ دوسرے کمرے کا تھا۔ دوسرے کمرے میں صرف ایک کرسی اور ایک چھوٹی سی میز موجود تھی۔ دروازے پر سیاہ رنگ کا موٹا پردہ لٹک رہا تھا۔ گویا وہ دوسرے کمرے

وہاں بیٹھ کر اپنے کارکنوں سے بات چیت کرتا تھا۔ پوری کوٹھی میں اور کوئی چیز نہیں تھی۔ نہ کوئی فرنیچر۔ نہ کھانے پینے کی کچھ چیزیں۔

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔" محمود نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"لیکن اگر۔ اس کرسی اور میز پر سے انگلیوں کے نشانات مل جاتے ہیں تو بہت کچھ ہو جائے گا۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں! اگرچہ اس کا امکان بہت کم ہے۔ ایسے لوگ ہر وقت ہاتھوں پر دستانے چڑھائے رکھتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

انگلیوں کے نشانات اٹھوائے گئے۔ لیکن میز اور کرسی پر کوئی نشان نہ مل سکا۔ البتہ پہلے کمرے کی میز اور کرسیوں پر نشانات مل گئے۔ ان کو محفوظ کر لیا گیا۔ کوٹھی پر دو سادہ لباس والے مقرر کرنے کے بعد وہ واپس پلٹے۔ ایسے میں انسپکٹر جمشید نے کہا:

"میرا خیال ہے۔ ہم ریاست بھی ہو ہی آئیں۔ ذرا دیکھیں تو سہی۔ پرنس داراب یا اس کا باپ کیا کرتا ہے؟"

"بلکہ میرا تو خیال ہے۔ یہ اغوا والا واقعہ انھی کا کارنامہ ہے۔"

"کیا ہم ریاست میں داخل ہو سکیں گے۔" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا۔

"اور ہاں کیوں نہیں — ہمارے ملک کے پرنس دارا کی ریاست سے دوستانہ تعلقات ہیں — ہم نے ان پر کوئی پابندی نہیں لگا رکھی۔"

ریاست دارالحکومت سے سو کلومیٹر کے فاصلے پر تھی — ٹھیک دو گھنٹے کے بعد وہ ریاست کے دروازے پر پہنچ گئے — یہاں مسلح پہرہ تھا — لیکن جب انھوں نے اپنے کارڈز دکھائے تو ان کے لیے راستہ کھول دیا گیا۔

"ہم پرنس سے کہاں مل سکتے ہیں؟"

"وہ اپنے محل میں ہی ملیں گے۔" ایک نگران نے بتایا۔ محل کا راستہ پوچھ کر وہ آگے بڑھے — محل بہت شاندار تھا — اس کے چاروں طرف مسلح پہرے دار کھڑے تھے۔ یہاں بھی کارڈز دکھائے گئے — پھر ان کے کارڈز اندر پرنس تک پہنچائے گئے — آخر پرنس نے انھیں اندر بلایا۔ وہ ایک شاہانہ کرسی میں دھنسا ہوا تھا — پیر میز پر رکھے تھے —

"آپ لوگوں کو میں ابرام خان کے ہاں دیکھ چکا ہوں۔ میری یادداشت مجھے دھوکا تو نہیں دے رہی؟"

"جی نہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"فرمائیے — کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"آپ وہ حویلی کیوں خریدنا چاہتے ہیں؟"

"اس کے بارے میں عجیب و غریب باتیں مشہور ہو رہی ہیں — میں نے سوچا، خرید کر دیکھ لیتے ہیں — لیکن ابرام خان فروخت کرنے پر تیار ہی نہیں ہو رہا۔"

"کیا آپ جانتے ہیں — ابرام خان نے حویلی ایک شخص باروتان سے خریدی تھی — ہم معلوم نہیں کر سکے کہ باروتان حویلی کا مالک کس طرح بنا تھا — بہرحال — ابرام خان نے حویلی اس سے خریدی اور صرف دو لاکھ روپے میں خریدی — حویلی میں اسے ایک تصویر کے سوا کوئی چیز نہیں ملی — تصویر بہت خوفناک تھی — ابرام خان خود آرٹسٹ آدمی ہے — آرٹ گیلریوں میں اس کا آنا جانا رہتا ہے — لہٰذا اس نے وہ تصویر ایک آرٹ گیلری کو فروخت کر دی — آرٹ گیلری سے تصویر ہمارے دوست پروفیسر داؤد نے خریدی — پروفیسر داؤد صاحب کو اس تصویر میں کوئی خاص بات نظر آئی — اور پھر انھوں نے مجھے فون کیا — لیکن جب ہم ان کے ہاں پہنچے تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا — پروفیسر صاحب اور ان کے ساتھیوں کو

اغوا کیا جا چکا تھا — اور تصویر بھی وہاں کہیں نظر نہیں آ رہی تھی —

ان کے اغوا کے فوراً بعد حویلی کی مانگ بہت بڑھ گئی۔ اس کے بہت سے خریدار پیدا ہو گئے — اس کا بھاؤ تیزی سے بڑھنے لگا — یہاں تک کہ میں نے آپ سے بیس لاکھ روپے مانگے تو آپ نے فوراً چیک لکھ دیا۔ ادھر ابرام خان گھبرا گیا — اور ناراض ہوا کہ اس کی حویلی کا سودا کرنے والے ہم کون ہوتے ہیں — واقعی — یہ سودا ہمارے ذریعے نہیں ہونا چاہیے تھا — لیکن اب کیا ہو سکتا تھا — خیر — وہ تو اچھا ہوا — چیک غلط لکھا گیا — اور حویلی فروخت ہونے سے بچ گئی — یہ ہیں کل حالات — سوال یہ ہے کہ وہ حویلی آپ کی مجبوری کیوں ہے — آپ کیوں خریدنا چاہتے ہیں۔"

"بس ایسے ہی — ایک الجھن جو ہے — کہ آخر اتنے لوگ اس حویلی کو کیوں خریدنے پر تلے ہیں۔"

"اور کوئی بات آپ کو معلوم نہیں۔"

"جی نہیں — کیا کوئی اور بات بھی ہے۔" پرنس دراب نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔

"جی ہاں، ایک بہت ہی عجیب اور حیران کن ترین بات —

وہی بات ہمیں کھینچ کر یہاں تک لائی ہے۔"

"کیا مطلب؟" پرنس نے چونک کر کہا۔

"آپ کو اس تصویر کے بارے میں کسی نے تو کچھ بتایا ہوگا — تبھی آپ حویلی میں دلچسپی لینے پر مجبور ہوئے ہیں — میں غلط تو نہیں کہہ رہا۔"

پرنس کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا — آخر اس نے کہا:

"آپ کا خیال ٹھیک ہے۔"

"آپ کو تصویر کے بارے میں کیا معلوم ہوا؟"

"کسی نامعلوم آدمی نے مجھے فون کیا تھا — یہ کہ ایک پرانی حویلی سے ہاتھ کی بنائی ہوئی ایک تصویر ملی ہے — تصویر میں ایک نوجوان خون آلود تلوار ہاتھ میں لیے کھڑا ہے — ساتھ ہی ایک مسہری ہے — مسہری پر سے ایک خون آلود ہاتھ نیچے لٹک رہا ہے — اور اس سے خون ٹپک رہا ہے — اس کی بات سن کر میں نے کہا — پھر — آپ یہ خبر مجھے کیوں سنا رہے ہیں — میرا اس معاملے سے یا اس تصویر سے کیا تعلق — تو اس نے ایک عجیب بات بتائی — یہ کہ تصویر والے نوجوان کی اور میری شکل صورت میں کوئی فرق نہیں ہے — یہ بات میرے لیے حیران کن ترین تھی — میں اس سے کرید کرید

کر تصویر کے بارے میں پوچھتا رہا — میں نے اس سے یہ بھی پوچھا — کہ تصویر اب کہاں ہے — لیکن وہ یہ بات نہ بتا سکا — یا اس نے بتائی نہیں — اس طرح میں اس حویلی کی طرف متوجہ ہوا — میں نے سوچا — کیوں نہ حویلی کو خرید لیا جائے — تاکہ معلوم تو ہو — کیا چکر ہے۔"

"ہوں! آپ نے اپنے والد صاحب سے اس حویلی کے بارے میں پوچھا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا مطلب — بھلا میں والد صاحب سے اس کے بارے میں کیوں پوچھتا۔" وہ قدرے چونکا۔

"میرا خیال ہے — آپ ہماری ان سے ملاقات کرا دیں۔"

"اچھی بات ہے — میں ابھی آیا۔" پرنس داراب نے کہا اور اٹھ کر کمرے سے نکل گیا۔

"کاش! اس تصویر کو ایک نظر ہم بھی دیکھ چکے ہوتے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"ابھی تک معاملہ ذرا نہیں سلجھا۔" خان رحمان نے پریشان آواز میں کہا۔

"جب ایک بار سلجھنا شروع ہو گا خان رحمان — تو پھر سلجھتا ہی چلا جائے گا۔"

"مجھے پریشانی صرف پروفیسر اور ان کے ساتھیوں کی ہے۔"

"اللہ ان کی حفاظت فرمائے — ہم دعا تو کر ہی سکتے ہیں — کوشش بھی کر رہے ہیں۔"

"لیکن اب آپ پرنس داراب کے والد سے کیا بات کرنا چاہتے ہیں۔"

"ایک ہلکا سا خیال آیا ہے — اس کی تصدیق کرنا چاہتا ہوں۔" وہ مسکرائے۔

"اور وہ خیال کیا ہے۔"

"تم جانتے ہی ہو — نہیں بتاؤں گا۔" وہ بولے۔

آخر قدموں کی آواز سنائی دی اور سفید بالوں والا ایک بوڑھا آدمی اندر داخل ہوا، پرنس اس کے پیچھے تھا اس کی چال ڈھال سے بادشاہت سی ٹپکتی تھی — لباس بھی شاہانہ تھا — ہاتھ میں ایک موٹا سا سگار تھا — پرنس نے ان سے تعارف کرایا —

"یہ ریاست آپ کے والد صاحب کو انگریزوں کی طرف سے ملی تھی — یہ بات ٹھیک ہے نا سر۔"

"ہاں! کاش وہ انگریزوں کا ساتھ نہ دیتے۔" سر سلطان داراب نے سرد آہ بھری۔

"جاگیر ملنے سے پہلے وہ کہاں رہتے تھے — کیا آپ بتا سکتے ہیں۔"

"ہاں! کیوں نہیں — آپ کے ملک کے موجودہ دارالحکومت میں رہتے تھے۔"

"اور ان کا دولت کدہ کس جگہ تھا۔" انسپکٹر جمشید بولے
"بات کیا ہے — آپ یہ باتیں کیوں پوچھ رہے ہیں"
"میں آپ کو پوری تفصیل بتاؤں گا — لیکن اس تفصیل کا فائدہ اسی وقت ہے — جب کہ آپ حضرات کا اس معاملے سے کوئی تعلق ہو — اگر کوئی تعلق ہی نہیں ہے تو پھر ہم آپ کا وقت ضائع کریں گے — صاف ظاہر ہے — آپ وقت ضائع کیا جانا پسند نہیں کرتے ہوں گے۔"

"یہ بات تو آپ نے سو فیصد درست کہی۔" انھوں نے خوش ہو کر کہا۔

"لہذا پہلے یہ بتائیں — اس وقت ان کی رہائش کہاں تھی۔"

"شہر کے مشرقی کنارے پر ہماری ایک بہت بڑی حویلی تھی۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا — کیونکہ جس حویلی کے معاملے سے وہ اس وقت دوچار تھے — وہ مشرقی سرے پر ہی تھی۔

"پھر اس حویلی کا انھوں نے کیا کیا۔"

"انگریزوں کا ساتھ دینے کے سلسلے میں انھیں یہ جاگیر عطا کی گئی تو اس حویلی میں رہ کر وہ کیا کرتے — سائنہ [illegible] کر یہاں آ گئے۔"

"اور — وہ حویلی —؟" فرزانہ جلدی سے بولی۔
سر سلطان داراب نے چونک کر فرزانہ کی طرف دیکھا — یوں لگا جیسے اب تک وہ وہاں صرف انسپکٹر جمشید کی موجودگی سے باخبر رہے ہوں — چند لمحے تک اس کی طرف دیکھنے کے بعد بولے:

"یہ آپ کی بچی ہے۔"
"ہاں جناب — کیوں کیا بات ہے؟"
"میرا خیال ہے — یہ ضرورت سے بہت زیادہ ذہین اور تیز طرار ہے۔"
"آپ کا خیال بالکل ٹھیک ہے جناب —" محمود نے منہ بنا کر کہا۔
انھوں نے فوراً محمود کی طرف دیکھا — اور بولے:
"لیکن یہ حضرت بھی کم نہیں ہیں۔"
"یہ بھی کم ادھر بیٹھا ہے۔" فاروق نے معصومانہ انداز میں کہا
جونہی فاروق پر ان کی نظریں پڑیں — وہ تو اچھل ہی پڑے۔
"ارے باپ رے — یہ — یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔"

"جی — آپ — آپ صرف اور صرف مجھے دیکھ رہے
ہیں —" فاروق گھبرا گیا۔

"بے وقوف اور سیدھے سادے نظر آنے والے یہ حضرات
بہت زیادہ چالاک ہیں — ان کی بے وقوفی کے چکر میں
بڑے بڑے آجاتے ہوں گے — میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟"

"آپ نے ان تینوں کے بارے میں بالکل درست اندازہ لگایا
کیا آپ اس فن کے ماہر ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں! میں چہرہ شناسی کا بہت بڑا ماہر ہوں — ایک بہت
بڑے استاد سے میں نے یہ علم سیکھا تھا — اور اب پہلی
بار میں نے اس نظریے سے آپ کا جائزہ لیا ہے — آپ
ان تینوں سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔"

"تب پھر یہاں میں ہی ایک ناکارہ آدمی رہ گیا ہوں۔"
خان رحمان کی آواز ابھری۔

انھوں نے جونہی خان رحمان کی طرف دیکھا، زور سے اچھلے
اور کھڑے ہو گئے — ان کی حیرت کا کیا پوچھنا —

"کیا آپ کو ان کے چہرے میں بھی کوئی عجیب بات
نظر آئی ہے۔"

"ہاں! آئی ہے — لیکن — اس عجیب بات سے بھی زیادہ
یہ بات عجیب ہے کہ یہ ایک بہت عظیم آدمی کے قابل پوتے

ہیں — اور ان کا نام خان جلال الدین خاں تھا — میں نے غلط
تو نہیں کہا۔"

"وہ میرے دادا تھے۔"

"اور انھوں نے انگریزوں سے لڑتے ہوئے جان دی تھی —
جب کہ میرے دادا نے انگریزوں کی مدد کر کے جاگیر حاصل
کی تھی — اس کا افسوس ساری زندگی رہے گا۔"

"آپ نے کیسے جانا کہ یہ خان جلال الدین خان کے
پوتے ہیں۔"

"میں نے اپنی ان آنکھوں سے انھیں شہید ہوتے دیکھا
تھا — میں وہ منظر زندگی بھر نہیں بھول سکتا — وہ بہت
عظیم انسان تھے — انگریز نے انھیں بڑے سے بڑا لالچ
دے کر اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔"

"ہم اس حویلی کی بات کر رہے تھے۔" انسپکٹر جمشید جلدی
سے بولے۔

"اوہ ہاں! وہ بات درمیان میں رہ گئی — ہاں تو جب دادا
جان کو جاگیر ملی — تو انھوں نے حویلی اپنے وفادار خادم کو
بخش دی — کاغذات بھی اسی کے نام کرا دیے — میں نے سنا
ہے — حویلی آج تک اسی خاندان کے پاس ہے — لیکن اب
اس کی حالت بہت ردی ہو چکی ہے — اور وہ رہائش کے

قابل نہیں رہی — یہاں تک کہ وہ خاندان اب اس میں نہیں رہا۔
"اس وفادار خادم کا نام کیا تھا — آپ بتا سکتے ہیں؟"
"کیوں نہیں بتا سکتا — اس کا نام رمضا تان تھا۔"
"جی — کیا بتایا — رمضا تان — اور کیا اس کا کوئی بیٹا بھی تھا؟"

"بالکل تھا — بیٹے کا نام اس نے جوہر تان رکھا تھا۔ وہ گھرانا اپنے ناموں کے ساتھ تان ضرور لگاتا تھا — یہ ان کا خاندانی نشان تھا۔"
"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا — ان کے ذہنوں میں باردتان کا نام گونجنے لگا۔

وہی آواز

چند لمحے تک خاموشی طاری رہی — آخر انسپکٹر جمشید بولے:
"اب آپ کو یہ بات تو یاد نہیں ہو گی کہ اس حویلی میں کوئی خوفناک قسم کی تصویر بھی تھی — جو حویلی میں ہی رہ گئی تھی۔"
"خوفناک تصویر — نہیں — ہماری حویلی میں کوئی خوفناک تصویر نہیں تھی — جب ہم نے حویلی خالی کی تھی — میں اس وقت کافی سمجھ دار تھا اور مجھے ایک ایک بات یاد ہے۔"
"تب پھر وہ تصویر وہاں کہاں سے آئی — جب کہ" انھوں نے جملہ درمیان میں چھوڑ دیا۔
"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں —" سر سلطان داراب نے پریشان ہو کر کہا۔
"پرنس داراب — آپ ہی انھیں بتائیں کہ میں کیا کہنا

دل۔"

"ہم — میں — بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں۔" پرنس ہکلایا۔

"اچھا چلیے — پہلے یہ بتا دیں — آپ اس حویلی کو ہر قیمت پر کیوں خریدنا چاہتے ہیں — جس کو خود آپ کے بڑوں نے اپنے خادم کو دے دیا تھا۔"

"کیا کہا — داراب اس حویلی کو خریدنا چاہتا ہے — یہ میں کیا سُن رہا ہوں۔" وہ پرنس کی طرف گھومے۔

پرنس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نمودار ہو گئے — وہ ہکلانے لگا —

"وہ — بابا جان — ہم — مجھے کسی نے ایک فون کیا تھا — گمنام فون۔"

"گمنام فون — کیا مطلب۔"

"یہ کہ اس حویلی میں ایک خوفناک تصویر موجود تھی — وہ تصویر کسی کے ہاتھ لگ گئی ہے — اس تصویر کی رو سے آپ —" پروفیسر داراب کہتے کہتے رک گیا۔

"اس تصویر کی رُو سے — کیا؟"

"ہاں بابا جان — اس تصویر کی رو سے آپ پر قاتل ہونے کا شبہ کیا جا سکتا ہے۔"

"کیا بکتے ہو —" سر سلطان داراب چلائے۔

"پہلے سن لیں ابا جان — وہ تصویر ہے کیا —" یہ کہہ کر اس نے تصویر کی تفصیل سنا دی — پھر بولا،

"اور نوجوانی میں آپ کی شکل و صورت بالکل مجھ سے ملتی جلتی تھی — جس زمانے میں حویلی خالی کی گئی — اس وقت میں اس دنیا میں آیا ہی نہیں تھا — لہٰذا وہ تصویر یا تو آپ سے متعلق ہے — یا پھر دادا جان مرحوم سے متعلق تھی۔"

"بات بہت عجیب ہے — لیکن ایک آرٹسٹ ایسی فرضی تصویر بہت آسانی سے بنا سکتا ہے۔" سر سلطان داراب نے ہنس کر کہا۔

"ہاں! بنا سکتا ہے — میں نے بھی یہی بات اس فون کرنے والے سے کہی تھی — لیکن میری بات سُن کر وہ بہت زور سے ہنسا تھا اور اس نے کہا تھا — شہزادے — اس تصویر میں ایک زخمی ہاتھ بھی تو دکھایا گیا ہے — جو چھری سے لٹک رہا ہے — اس سے خون ٹپک رہا ہے — گیا چھری پر کوئی مقتول موجود ہے — اس نے کہا تھا — کہ جب وہ پولیس کو یہ بتائے گا کہ یہ مقتول کون ہے — اور اس کی لاش کہاں ہے — تو اس وقت آپ کے بابا جان کا کیا جواب ہو گا۔"

"اوہ!" سر سلطان داراب کے منہ سے نکلا۔ ان کے چہرے پر تاریکی نظر آنے لگی۔

"اور ابا جان۔ اس نے ایک بات اور کہی تھی۔ لگے ہاتھوں وہ بھی سن لیں۔ اس نے کہا تھا۔ اس تصویر کا اور اس حویلی کا بہت گہرا تعلق ہے۔ حویلی میں کسی جگہ ایک بہت بڑا راز دفن ہے۔ وہ راز کہاں ہے۔ یہ اس تصویر کی مدد کے بغیر معلوم کیا ہی نہیں جا سکتا۔"

"حویلی میں راز۔ تصویر کا تعلق حویلی سے۔ تصویر میں ایک عدد مقتول۔ اور قاتل کے ہاتھ میں تلوار، جس کا چہرہ مجھ سے ملتا جلتا ہے۔ یہ سب باتیں مجھے تو خواب کی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ضرور کوئی خوفناک چکر چلایا جا رہا ہے۔ میرا مطلب ہے۔ ہمارے خلاف سازش کی جا رہی ہے۔ ہمیں بدنام کرنے کے لیے۔ ہماری ریاست کو درہم برہم کرنے کے لیے۔"

"اسی لیے میں نے سوچا تھا۔ حویلی کو خرید لوں۔ تاکہ ایک طرف سے تو اطمینان رہے۔ تصویر حاصل کرنے کی بعد میں کوشش کی جا سکتی تھی۔"

"ہاں! پھر۔ تم تصویر خریدنے میں کیوں ناکام رہے۔"

"میں کامیاب ہو گیا تھا۔ لیکن ان مہربانوں کی وجہ سے میری کامیابی ناکامی میں بدل گئی۔ اور میں حویلی نہیں خرید سکا۔ حویلی کے اور بھی بہت سے لوگ خریدار ہیں۔ یہ خریدار ہمیں بلیک میل کرنے کی ٹھانے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں میں سے جس کے پاس بھی وہ تصویر ہے۔ حویلی اگر اس نے خرید لی۔ تو ہمارے خلاف بہت کچھ کر سکے گا۔"

"اوہ۔ اوہ۔"

"سچ سچ بتا دیں ابا جان۔ کیا آپ نے حویلی میں رہنے کے دوران کوئی قتل کیا تھا؟"

"ہن۔ نہیں۔" وہ زور سے بولے۔

"تب پھر۔ وہ شخص ہمارے خلاف کیا ثابت کر سکے گا۔" پرنس نے منہ بنایا۔

"فرضی تصویر اور فرضی راز کے ذریعے سے ہمارے خلاف کوئی بھیانک چکر تو چل ہی سکتا ہے۔ اور یہ چکر میرے خیال میں ضرور تمہارے چچا زاد بھائی نے چلایا ہے۔ وہ ریاست پر قبضہ کرنے کا خواب بہت عرصے سے دیکھ رہا ہے۔"

"آپ۔ عدیل کی بات کر رہے ہیں۔" پرنس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! کیا تمہارے خیال میں وہ ایسا نہیں کر سکتا۔"

"کم از کم میں تو یہی سمجھتا ہوں — کہ وہ ایسا نہیں کر سکتا۔"

"تم ابھی بچے ہو — میں اپنے سراغرساں سے بات کرتا ہوں — وہ اس سازش کی جڑیں اکھاڑ ڈالے گا — تم فکر نہ کرو —" سر سلطان داراب نے کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے — پھر چونک کر ان کی طرف مڑے،

"آپ مجھ سے اور کچھ تو معلوم نہیں کرنا چاہتے؟"

"جی نہیں — بہت کافی معلومات حاصل ہو گئیں — شکریہ!" انھوں نے بھی اٹھتے ہوئے کہا۔

وہ محل سے باہر نکلے تو ذہن بہت الجھے ہوئے تھے:

"بات سلجھنے کی بجائے اور الجھ گئی — اب حویلی کے کاغذات کو دیکھنے کی البتہ کوئی ضرورت نہیں رہ گئی — حویلی واقعی باروتان کے دادا کو دے دی گئی تھی — گویا یہ ان کی ملکیت تھی — باروتان نے حویلی کو اپنے لیے بے کار جان کر ابرام خان کے ہاتھ فروخت کر دیا — اور اس نے تصویر آرٹ گیلری کو فروخت کر دی — اس سارے معاملے میں عجیب بات صرف یہ ہے کہ سر سلطان داراب کا کہنا ہے کہ حویلی میں کوئی تصویر نہیں تھی — جب کہ ابرام خان کو حویلی میں سے تصویر ملی تھی" انسپکٹر جمشید یہاں تک کہہ کر رک گئے۔

"اگر حویلی میں تصویر اسی زمانے سے موجود تھی — جب حویلی خادم کو دی گئی — یا خادم نے تصویر بنوائی — تب تو ضرور سر سلطان داراب نے کسی کو قتل کیا تھا — ورنہ وہ تصویر فرضی بھی ہو سکتی ہے۔" محمود نے خیال ظاہر کیا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے — کہ باروتان کو کوئی اہم بات معلوم تھی — اسی لیے اسے قتل کر دیا گیا — تاکہ ہم اس سے وہ بات معلوم نہ کر لیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"ریاست سے نکلنے سے پہلے کیوں نہ ہم مسٹر عدیل سے مل لیں — اس کیس میں یہ نیا نام سامنے آیا ہے — اور اگر سر سلطان داراب کا خیال درست ہے — تب پھر ہمارا مجرم وہی ہو سکتا ہے۔"

"چلیے ٹھیک ہے — مل لیتے ہیں۔"

لیکن عدیل ریاست میں نہ مل سکا — اس کے بارے میں معلوم ہوا — وہ دارالحکومت میں رہتا ہے — اس کا پتا نوٹ کر کے وہ وہاں سے روانہ ہوئے — عدیل ایک لمبا چوڑا اور خوب صورت نوجوان تھا — اس نے مسکرا کر ان کا استقبال کیا اور قدرے حیران ہو کر پوچھا:

"فرمایئے — آپ لوگ کس سلسلے میں آئے ہیں؟"

"حویلی کی تصویر کے سلسلے میں۔" محمود فوراً بولا۔

"کیا مطلب ؟"

"میں بتاتا ہوں جناب ۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے مختصر طور پر حالات سنا دیے اور پھر بولے ،

"مسٹر سلطان داراب کا کہنا ہے کہ ان کے خلاف یہ ایک سازش ہے ۔ اور یہ سازش آپ نے کی ہے ۔"

"یہ کوئی نئی بات نہیں جناب ۔ میرے بارے میں وہ ایسا سوچتے ہی رہتے ہیں ۔"

"گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ نے ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی ۔"

"ہاں بالکل ! اتنا ضرور ہے کہ مجھے ان لوگوں سے شدید نفرت ہے ۔ اور اس نفرت کو میں کسی صورت بھی ختم نہیں کر پاتا ۔"

"کیا مطلب ۔ آپ کو اپنے تایا اور ان کے گھرانے سے شدید نفرت ہے ۔ آخر کیوں ؟"

"صرف ان سے ہی نہیں ۔ اپنے باپ سے بھی نفرت تھی ۔ لیکن اب وہ اس دنیا میں نہیں ہیں ۔"

"بات پلے نہیں پڑی ۔ آپ کی نفرت کیوں ہے ۔ کیا وضاحت نہیں کریں گے ۔"

"ضرور کروں گا ۔ ان لوگوں نے مسلمانوں کے

مقابلے میں انگریزوں کا ساتھ دیا تھا ۔ جب مسلمان انگریزوں سے لڑ رہے تھے ۔ اپنی کم تعداد اور تھوڑی طاقت کے باوجود آزادی کے لیے جدوجہد کر رہے تھے ۔ کٹ رہے تھے ۔ مر رہے تھے ۔ اپنے ہی خون میں نہا رہے تھے اور جب علمائے کرام کو سلگتے کوئلوں پر لٹایا جا رہا تھا ۔ انھیں درختوں سے لٹکا لٹکا کر پھانسی دی جا رہی تھی ۔ سوروں کی کھالوں میں انھیں بند کر کے دریاؤں میں پھینکا جا رہا تھا ۔ انھیں بوریوں میں بند کر کر کے ۔ اوپر سے گولیاں برسائی جا رہی تھیں ، جب ایک ایک دن میں کئی کئی سو مسلمانوں کو شہید کیا جا رہا تھا ۔ تاکہ وہ لوگ آزادی کی جنگ لڑنا بند کر دیں ۔ انگریز کو اس وطن پر آرام سے حکومت کرنے دیں ۔ اس وطن کے اصل مالکوں کو غلام بنائے رکھیں ۔ جب یہ سب کچھ ہو رہا تھا ۔ تو نام کے کچھ مسلمان ۔ اس وطن کے کچھ رہنے والے ایسے بھی تھے ۔ جنھوں نے انگریزوں کی ہر طرح مدد کی ۔ آزادی کی جنگ لڑنے والوں کے بارے میں خبریں انگریزوں تک پہنچائیں ۔ اپنا بن کر ان کی خبریں حاصل کیں اور انگریز تک پہنچائیں ۔ اور اس طرح مسلمانوں کی جنگ آزادی ناکام ہو گئی ۔ اگر یہ غدار لوگ نہ ہوتے تو بہت پہلے انگریز کو اس وطن سے نکالا جا چکا ہوتا ۔ لیکن ان

غدار طبقے نے ایسا نہیں ہونے دیا۔ ان غداروں کو بعد میں
انگریزوں نے حق نمک ادا کرنے کے سلسلے میں، وفاداریاں دکھانے
کے سلسلے میں بڑی بڑی جاگیریں عطا کیں اور انہیں مربے
خطابات سے نوازا۔ آج بھی وہی سب سے بڑے دولت مند
اور جاگیردار قسم کے لوگ ہیں۔ یہ دولت اور جاگیریں اسی
زمانے کی چلی آ رہی ہیں۔ لہذا مجھے ان سے نفرت ہے۔
یہ جاگیریں مسلمانوں کا خون بہا کر حاصل کی گئی ہیں۔ میری
نفرت ان کے خلاف ختم نہیں ہو سکتی۔" عدیل یہاں تک کہہ کر
خاموش ہو گیا۔

وہ سکتے کے عالم میں اس کی باتیں سنتے چلے گئے۔
آخر انسپکٹر جمشید نے کہا:

"آپ جیسا نوجوان جوش میں آ کر ایسے کسی شخص کو قتل
بھی کر سکتا ہے۔ تاہم ابھی ہمیں یہ معلوم ہی نہیں کہ کوئی
شخص قتل ہوا ہے یا نہیں۔ اور ہوا ہے تو کون۔ لہذا
ہمیں اجازت دیں۔ اتنا ضرور کہوں گا کہ ہم بھی آپ
کے ہم خیال ہیں۔"

"جی کیا مطلب؟"

"جن لوگوں کو انگریزوں نے جاگیریں عطا کی تھیں۔
ان سے ہمیں بھی نفرت ہے۔ اور نفرت ہونی بھی

ہیے۔ ایمان کا تقاضا بھی یہی ہے۔"

"ارے۔ یہ جان کر بہت خوشی ہوئی۔" اس کا چہرہ کھل اٹھا۔
وہ جانے کے لیے مڑے ہی تھے کہ فرزانہ کے کانوں
سے ایک ہلکی سی آواز ٹکرائی۔ وہ بری طرح اچھلی۔ اس
کے چہرے پر حیرت اور خوف پھیل گیا:

"خیر تو ہے فرزانہ؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میں نے ایک بہت ہلکی سی آواز سنی ہے۔ اس قدر
ہلکی کہ شاید میرے کان بجے ہوں۔ لیکن پھر بھی میں تصدیق
کیے بغیر یہاں سے نہیں جا سکتی۔"

"آواز کس قسم کی تھی؟"

"چیخ کی آواز۔ پروفیسر انکل کی۔"

"نہیں۔" انسپکٹر جمشید دھک سے رہ گئے۔ ان کی نظریں
عدیل پر جم گئیں۔

"کیا مطلب؟" عدیل بھی گڑبڑا گیا۔

"کیا۔ آپ کے گھر میں کچھ قیدی موجود ہیں؟"

"نہیں۔ بالکل نہیں۔"

"لیکن۔ میری بچی کے کان ایسے موقعوں پر دھوکا
نہیں کھاتے۔"

"آپ میرے گھر کی تلاشی لے سکتے ہیں۔ مجھے کوئی

اعتراض نہیں ہو گا۔"

"یہ تو اب کرنا ہی ہو گا — ہمیں بہت افسوس ہے"

انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس میں افسوس کیسا — یہ تو آپ کا فرض ہے۔"

انھوں نے اس کے گھر کی تلاشی لی — کوئی لمبا چوڑا
گھر تو تھا نہیں — سادا سا گھر تھا اور مختصر سا بھی
جلد ہی تلاشی ختم ہو گئی — اندر پروفیسر صاحب اور ان کے
ساتھیوں کا نام و نشان بھی کہیں نہ ملا — وہ مایوس ہو
کر باہر نکلے — لیکن دروازے پر ایک بار پھر فرزانہ
سے اچھلی:

اسے بالکل ویسی ہی آواز پھر سنائی دی تھی۔

تلاشی

"اب کیا ہوا کسی چیونٹی نے کاٹ لیا ہے۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"نہیں — مجھے وہی آواز پھر سنائی دی ہے۔" فرزانہ چونک اٹھی۔

"میرا خیال ہے، اب تمھارے کان واقعی بجنے لگے ہیں —
اب تم انھیں ریٹائر کر دو۔" فاروق نے اسے مشورہ دیا۔

"کسے ریٹائر کر دو۔" خان رحمان بے دھیانی کے عالم
میں بولے۔

"جی — کانوں کو — اور کس کو۔"

"تو کیا فرزانہ — آواز اس مرتبہ بھی مکان کے اندر
سے آئی ہے۔"

"نہیں — دائیں یا بائیں سے — یا پھر سامنے والے مکان
سے۔" فرزانہ بولی۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"جی! کیا مطلب — کیا کیسے ہو سکتا ہے؟" محمود
حیران ہو کر پوچھا۔

"یہ کہ پروفیسر صاحب کی آواز اس گھر سے تو آئے
جس سے کوئی تعلق بنتا نظر آ رہا ہے اور دائیں بائیں
سامنے سے آئے۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ دائیں بائیں یا سامنے وا
کوئی مکان عدیل صاحب کا ہو۔" محمود نے کہا۔

"نہیں جناب — میں اتنا دولت مند آدمی نہیں ہوں — ہم
انگریزوں سے جاگیر نہیں لی تھی — غریب تھے، غریب ہی
رہے — تایا جان نے بہت مرتبہ ہماری مالی امداد کرنا چاہی
لیکن ہم نے ان سے کبھی کچھ نہیں لیا۔"

"خیر — ہم دائیں بائیں اور سامنے والے مکانات کو بھی ایک
نظر دیکھ لیتے ہیں — ایک بات آپ سے نہیں پوچھی — آپ
کے تایا کے گھرانے میں بہت عرصہ پہلے کوئی شخص تو قتل نہیں
ہوا تھا — یا غائب ہوا ہے۔"

"آپ یہ بات اس تصویر والے معاملے کی وجہ سے پوچھ
رہے ہیں۔" عدیل جلدی سے بولا۔

"ہاں! یہی بات ہے۔" وہ بولے۔

"میں بتا تو دیتا ہوں — لیکن آپ یہ نہ سوچیے گا کہ میں
دشمنی کی بنا پر یہ بات کر رہا ہوں۔"

"اچھی بات ہے — ہم یہ بات ہرگز نہیں سوچیں گے۔"
فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"تو پھر سنیے — رمضان تان کا بڑا بھائی سر سلطان کے
والد کے ہاتھوں غصے کی حالت میں مارا گیا تھا — اس نے
ان کے سامنے اونچی آواز میں بات کی تھی — بس انھیں
غصہ آگیا — تلوار نکالی اور قتل کر ڈالا — تلوار لگتے ہی
وہ مسہری پر گرا اور جان دے دی۔"

"اوہ! — اس کا نام کیا تھا؟"

"عدنان تان۔" اس نے کہا۔

"پھر — کیا ہوا — کیا سر سلطان کے باپ کو گرفتار
کیا گیا؟"

"نہیں — انھوں نے رمضان تان کو راضی کر لیا اور
خون بہا کے طور پر وہ حویلی دے دی۔"

"ہوں! سوال یہ ہے — اگر یہ کہانی اب سامنے آ
جائے تو اس سے پرنس داراب یا اس کے والد کو کیا
فرق پڑ جائے گا — یہ جرم تو ان کے باپ دادا نے
کیا تھا۔"

"بدنامی تو ہو گی نا۔" عدیل مسکرایا۔

"ہوں! اس کا مطلب تو پھر یہ ہوا کہ پروفیسر داؤد صاحب، ان کے ساتھیوں اور تصویر کو پرنس فیملی نے ہی غائب کرایا ہے اور حویلی کو بھی وہ اس لیے خریدنا چاہتے ہیں کہ اس کہانی کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ نتیجہ نکالنا آپ کا کام ہے۔"

"آؤ بھئی چلیں۔ ہمیں پوری ریاست کی تلاشی لینا ہو گی اور اس غرض کے لیے فوج کا سہارا لینا پڑے گا۔"

"اور وہ آواز۔ جو میں نے سنی ہے۔" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"ہوں! ٹھیک ہے۔ فرزانہ کے کانوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ٹھہرو۔ پہلے اکرام کو فون کرتا ہوں۔"

اکرام کافی تعداد میں اپنے ماتحتوں سمیت وہاں پہنچ گیا۔ ان مکانات کو گھیر لیا گیا۔ پھر ان کی تلاشی شروع ہوئی۔ اور پھر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب دائیں طرف والے مکان سے پروفیسر داؤد، شائستہ اور ان کے ماتحت برآمد کر لیے گئے۔ لیکن وہ سب بے ہوش تھے۔

"اس کی کیا تعریف ہے اکرام؟" انہوں نے مالک مکان کی طرف اشارہ کیا۔

"میں اس سے واقف نہیں ہوں۔"

"تم کچھ بولو گے۔ یا پھر ہم تمہیں بڑے گھر لے چلیں۔"

"جاوید دادا نے ان لوگوں کو میرے حوالے کیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ میں ان لوگوں کو کچھ دنوں تک اپنے گھر میں اس طرح چھپا کے رکھوں کہ کسی کو کانوں کان پتا نہ چلے۔ اس نے کوئی دوا بھی دی تھی۔ جو ان لوگوں کو انجکشن کے ذریعے دیتا رہا ہوں۔ جاوید دادا کے دو آدمی ہر وقت پستول لیے یہاں موجود رہتے ہیں لیکن آج وہ دونوں جاوید دادا کے بلانے پر تھوڑی دیر کے لیے گئے ہیں، ادھر انہیں کسی قدر ہوش آ گیا، یہ چیخ پڑے اور مجھے پھر انجکشن لگانا پڑا۔" اس نے جلدی جلدی کہا، اب وہ اکرام کی طرف مڑے:

"جاوید دادا اغوا کا ماہر ہے۔ کرائے پر لوگوں کو اغوا کرتا ہے۔ یعنی۔ کسی شخص کو اپنے دشمن کو اغوا کرانا ہے تو وہ جاوید دادا سے معاملہ طے کر لیتا ہے۔ اور گھر بیٹھے اپنا کام کرا لیتا ہے۔" اکرام نے بتایا۔

"ہوں۔ تب تو اب ہمیں جاوید دادا سے ملنا ہو گا۔"

"اس کا ملنا بہت مشکل کام ہے۔"

"لیکن اس سے ملاقات بہت ضروری ہے۔ اس لیے

"آدمی کا نام تو ہمیں وہی بتائے گا — جس کے کہنے پر
نے ان حضرات کو اغوا کیا ہے۔"

"خیر — ہم کوشش شروع کر دیتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے — جونہی — کوئی کوشش رنگ لائے — مجھے
فون کر دینا — ہم پرنس داراب کی ریاست جا رہے ہیں۔"

"پروفیسر صاحب اور ان کے ساتھیوں کو ہسپتال پہنچا دو۔"

"او کے سر۔" اکرام بولا۔

جاوید دادا کے دوست کو ہتھکڑیاں لگا دی گئیں۔

"اس شخص نے کھانے پینے کی طرف سے تو تکلیف
نہیں دی۔"

"نہیں — یہ شریف آدمی ثابت ہوا — پستول والے بہت
ظالم تھے۔"

"اکرام — اس سے کوئی بُرا سلوک نہ کرنا — اس نے
ہمارے دوستوں کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا ہے — اس کا
جرم صرف یہ ہے کہ اس نے ایک غلط آدمی کو اپنا
دوست بنا رکھا ہے۔"

"او کے سر۔"

اب انھوں نے ایک ملٹری آفیسر سے بات کی — اسے
ساری تفصیل سنائی — اس کے بعد وہ ریاست کی طرف

روانہ ہوئے۔

"اب تو یہ کیس ختم ہوتا نظر آ رہا ہے۔" فاروق نے
خوش ہو کر کہا۔

"ہاں! اور ساری الجھنیں بھی یک دم دور ہو گئی ہیں۔"
محمود بولا۔

"چلو چھٹی ہوئی — کیس ختم تو ہوا۔" فرزانہ نے کہا۔

"جب کہ میں سمجھتا ہوں — ابھی ہمارا کچھ کام باقی ہے۔"

"جی — وہ کیسے؟" تینوں ایک ساتھ بولے۔

"بس دیکھ لینا۔" انھوں نے کندھے اچکائے۔

ریاست میں ان کی ملاقات سب سے پہلے پرنس داراب
سے ہوئی۔

"آپ پھر آ گئے۔"

"ہاں! ہم نے مسٹر عدیل سے ملاقات کی ہے — اس نے
ایک نئی بات بتائی ہے۔"

"اس نے بتایا ہو گا کہ میرے دادا جان نے اپنے ایک
خادم کو قتل کر دیا تھا۔" پرنس داراب نے منہ بنا کر کہا۔

"ہاں! — ہمیں سر سلطان داراب سے ملنا ہے — آپ انھیں
بھی بلا لیں۔"

"ایک بات نوٹ کر لیں — دادا جان نے اگر قتل کیا

بھی تھا — تو بھی ہم مجرم نہیں بنتے۔"

"یہ تو مجھے معلوم ہے۔" وہ مسکرائے۔

"دوسری بات یہ کہ ایسا کوئی جرم ہمارے خاندان میں نہیں کیا گیا — عدیل کا الزام غلط ہے۔"

"تب پھر آپ لوگوں کو پروفیسر داؤد، ان کے ساتھیوں اور اس تصویر کو اغوا کرانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں — ہم انھیں کیوں اغوا کراتے۔"

"آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ہم پروفیسر صاحب اور ان کے ساتھیوں کو تلاش کر چکے ہیں۔"

"لیکن ہمارا اس بات سے کیا تعلق۔" اس نے جل کر کہا۔

"پہلے ہم ریاست کی تلاشی لیں گے — پھر تعلق بتائیں گے۔"

"کیا کہا — آپ ہماری ریاست کی تلاشی لیں گے — دماغ تو نہیں چل گیا آپ کا۔" وہ چیخ اٹھا۔

"آپ اپنے والد کو بلا لیں — یہ بات ان سے ہو گی۔"

"اچھی بات ہے — انھیں ابھی بلا لیا جاتا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور پاؤں پٹختا چلا گیا — جلد ہی سر سلطان داراب کے ساتھ اندر آیا — سر سلطان کا چہرہ غصے سے سرخ تھا۔

"آپ کو ہماری ریاست کی تلاشی لینے کا کوئی حق نہیں پہنچتا — ہماری ریاست خود مختار ہے۔"

"میں جانتا ہوں — لیکن اس خود مختار ریاست کے والی نے ہمارے ملک میں ایک جرم کیا ہے — انھیں بھی تو اس کا اختیار نہیں پہنچتا تھا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ غلط ہے — جھوٹ ہے۔"

"اس بات کو جھوٹ یا سچ ثابت کرنے کے لیے ہی ہم ریاست کی تلاشی لینا چاہتے ہیں — لہٰذا آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے — خاص طور پر ہم محل کی تلاشی لیں گے — اگر تصویر محل سے نہ مل سکی — تو پھر ریاست کی تلاشی لی جائے گی — ورنہ نہیں —"

"یہاں کوئی تصویر نہیں ہے — آپ کا یہ اقدام بے کار جائے گا — وقت الگ ضائع ہو گا — آپ اپنے ارادے سے باز آئیں۔" اس نے بارعب انداز میں کہا۔

"نہیں جناب — ہم تلاشی لے کر رہیں گے۔"

"یہ سودا آپ کو بہت مہنگا بھی پڑ سکتا ہے — میں آپ کی حکومت سے تعلقات توڑ کر آپ کے دشمن ملک سے تعلقات قائم کر سکتا ہوں۔" انھوں نے کہا۔

"آپ کچھ بھی کر سکتے ہیں — لیکن ہم تلاشی لے کر رہیں

گے — اس لیے کہ ہمارے ملک کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی کی گئی ہے۔"

"یہ دخل اندازی میری طرف سے نہیں کی گئی — یہ ضرور عدیل کی سازش ہے۔"

"تلاشی لینے کے بعد اگر ہم یہاں سے تصویر برامد نہ کر سکے تو ہم اس پر بھی توجہ دیں گے اور آپ سے معافی مانگ لیں گے۔"

"اور اگر میں تلاشی دینے سے انکار کر دوں۔"

"تب — ہماری حکومت آپ کی ریاست کے خلاف اعلانِ جنگ کرے گی — اور اس کی تیاری اس وقت تک مکمل ہو چکی ہو گی۔" انھوں نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب — تیاری ہو چکی ہو گی۔" سر سلطان داراب زور سے اچھلے۔

"ہاں جناب — تیاری ہو چکی ہو گی — آپ کی ریاست اس وقت ہماری فوجوں کے گھیرے میں ہو گی۔"

"یہ — یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

"اس طرح کہ ہم تیاری کر کے چلے تھے۔"

"اچھی بات ہے — آپ لوگ تلاشی لے لیں، جب آپ تلاشی لینے کے بعد یہاں سے ناکام لوٹ جائیں گے تو میں

آپ کے خلاف اپنی کارروائی شروع کروں گا۔"

"آپ کی مرضی — ہم کیا کر سکتے ہیں۔"

"او کے —" انھوں نے سرد آہ بھری۔

انسپکٹر جمشید نے اکرام کو اشارہ کیا — بڑے پیمانے پر ساتھ آئے ہوئے سادہ لباس والے محل میں پھیل گئے — اور تلاشی کا کام شروع ہوا — انھوں نے سب سے پہلے صرف محل کی تلاشی لینے کا فیصلہ کیا تھا — کیونکہ تصویر اگر ہو سکتی تھی — تو محل میں — رعایا میں سے کسی گھر سے تصویر کے ملنے کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔

اس کام میں کئی گھنٹے لگ گئے — کیونکہ محل کوئی چھوٹا سا نہیں تھا — اور مزے کی بات یہ کہ انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی — تصویر کو محل سے برآمد نہ کر سکے —

اب سر سلطان داراب کے چہرے پر ایک طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

فاروق کا دوست

"اب آپ کیا کہتے ہیں۔"

"ابھی کچھ نہیں کہوں گا — اب ہمیں ریاست کے ایک ایک گھر کی تلاشی لینا ہو گی۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"ہوں! اگرچہ یہ میری ریاست کے لوگوں کے لیے ایک انتہائی تکلیف دہ عمل ہو گا — لیکن میں بھی آپ پر یہ بات ثابت کرنے پر تُل گیا ہوں کہ تصویر ریاست میں نہیں ہے — نہ اس اغوا سے اور تصویر کی چوری سے ہمارا کوئی تعلق ہے — ٹھہریے — پہلے میں اعلان کرا دوں — پھر آپ اپنا کام شروع کریں۔"

"بہت بہت شکریہ۔"

پوری ریاست کی تلاشی بھی لی گئی — تصویر تو انھیں کہیں بھی نہ مل سکی — لیکن اس تلاشی کے دوران اکثر گھروں میں کھٹکا دینے والی چیزیں ضرور نظر آئیں — انھوں نے

بظاہر ان چیزوں کو سرسری نظروں سے دیکھا — آخر کار تلاشی کا کام مکمل ہو گیا — ناکامی ان کے حصے میں آئی، اب پھر سر سلطان داراب کے چہرے پر ایک کامیاب مسکراہٹ تھی:

"مجھے بہت افسوس ہے — آپ کو اور آپ کی ریاست کے تمام لوگوں کو ہم نے بہت زحمت دی۔"

"وہ تو خیر دی — لیکن یہ تو اعلان کر دیں کہ اس معاملے سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔"

"ابھی میں نے اپنی تفتیش مکمل نہیں کی — مکمل کرنے کے بعد اگر آپ بے قصور ثابت ہوئے تو یہ اعلان ضرور کروں گا — ہاں تصویر کی تلاش کی حد تک ریاست میں اپنا کام ختم کر چکا ہوں۔"

"چلیے خیر — یونہی سہی۔" انھوں نے کندھے اچکا دیے۔

وہ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر ریاست سے روانہ ہوئے — سر سلطان اور پرنس داراب کا رخصت کرنے کا انداز خوش گوار نہیں تھا — ابھی وہ ریاست سے پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر آئے ہوں گے کہ سڑک پر ایک زبردست دھماکا ہوا — دھماکا ان کی گاڑی کے بالکل قریب ہوا تھا — انسپکٹر جمشید نے پورے بریک لگائے — تاہم بہت سا ملبہ ان کی گاڑی پر آ گرا — گاڑی کے شیشے ٹوٹ گئے اور کئی پتھر ان

سب گر گئے — دوسرے لمحے وہ بے ہوش ہو گئے — اور گاڑی الٹ گئی —

انھیں ہوش آیا تو شہر کے ہسپتال میں تھے — اکرام بیگم جمشید اور دوسرے لوگ وہاں پہنچ چکے تھے :

"ہمیں یہاں کس نے پہنچایا ۔"

"پرنس داراب نے — دھماکے کی آواز ریاست تک پہنچی تھی — وہ حالات جاننے کے لیے نکلے تو آپ کی گاڑی الٹی ہوئی تھی اور آپ سب اندر بے ہوش تھے — اس نے اپنی گاڑی میں آپ کو یہاں پہنچایا ۔"

"اوہ ! یہ تو انھوں نے ہم پر بہت احسان کیا ۔" فاروق نے جلدی کہا ۔

"اور حملہ — حملہ کس نے کرایا ؟" محمود بولا ۔

"بالکل ! یہ حملہ بھی دراصل ان لوگوں نے ہی کرایا تھا —" فرزانہ نے کہا ۔

"یہ ضروری نہیں — ہاں اس بات کے امکانات ضرور ہیں ۔" انسپکٹر جمشید بولے — پھر انھوں نے اکرام کی طرف دیکھا ۔

"ہم کب تک یہاں سے جا سکیں گے ۔"

"ڈاکٹر صاحبان کا کہنا ہے — ایک ہفتے تک ضرور ہسپتال میں رہنا ہو گا — زخم اچھے بھلے آئے ہیں اور اعصاب

ی صدمہ پہنچا ہے ۔"

"ایک ہفتہ — اُف — یہ کیسے ہو سکتا ہے ۔" محمود نے گھبرا

"کیوں — ہو کیوں نہیں سکتا ۔"

"کیس تو رہ جائے گا درمیان میں ۔"

"آپ کیس کی فکر نہ کریں سر — آپ ہدایات دیتے جائیے — عمل میں کرتا رہوں گا ۔" اکرام نے نئی ترکیب بتائی ۔

وہ مسکرا دیے — اور نفی میں سر ہلا کر بولے :

"نہیں ! ڈاکٹر صاحبان کو ہمیں آج ہی فارغ کرنا ہو گا ۔"

"ارے ارے — یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ۔" بیگم جمشید گھبرا گئیں ۔

"کیس بہت الجھا ہوا ہے — اور اہم نوعیت کا ہے — ایک ے کے اندر تو دشمن اپنا منصوبہ مکمل کر کے فرار ہو چکا و گا ۔"

"منصوبہ — یہ آپ نے کیا کہا ۔" اکرام کے لہجے میں رت تھی ۔

"ہاں بھئی — مجرم باقاعدہ ایک منصوبے پر عمل کر رہا ے — ہمارے زخمی ہونے کی خبر تو نہیں اڑائی گئی ۔"

"یہ خبر تو اب تک شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل کی ہو گی — ملاقات کے لیے آنے والوں کا تانتا بس

بندھنے ہی والا ہے۔"

"ارے باپ رے۔" فاروق نے کانپ کر کہا۔

عین اسی وقت ایک سادہ لباس والے نے اندر آکر کہا:

"کوئی ابرام خان صاحب مزاج پرسی کے لیے آئے ہیں۔"

"انھیں اندر بھیج دیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا کر رہے ہیں سر۔ ڈاکٹر صاحبان نے دو دن سے پہلے کسی سے بھی ملاقات کرنے کی اجازت نہیں دی۔"

"اوہو اچھا۔ تو پھر تم لوگ کیوں اندر موجود ہو؟"

"ہم تو گھر کے لوگ ہیں۔" بیگم جمشید مسکرائیں۔

"خیر کوئی بات نہیں۔ اب تو میں انھیں اجازت دے چکا۔ تم ساتھ والے کمرے میں چلی جاؤ۔"

اسی وقت ابرام خان اندر داخل ہوا، اس کے چہرے پر شدید پریشانی کے آثار تھے۔

"ہم۔ مجھے۔ ابھی ابھی اطلاع ملی۔ چوٹیں سنگین تو نہیں ہیں؟"

"جی نہیں۔ قدرے رنگین ضرور ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"خیر تو ہے خان صاحب۔ آپ بہت پریشان نظر آرہے ہیں۔"

"اس حویلی نے پریشان کر دیا ہے۔ خریدنے کے بعد ں بندوں نے ناک میں دم کر رکھا ہے۔ میں اب اس حد تک تنگ آ چکا ہوں کہ۔ میں اسے بیچ دینا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ بیچ دیں۔ کوئی حرج نہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا فرمایا آپ نے۔ بیچ دوں۔"

"ہاں! اب اسے رکھ کر کیا کرنا ہے۔"

"لیکن جناب۔ اس تصویر میں نہ جانے کیا راز ا ہو۔"

"آپ کی پریشانیوں کا حل تو یہی ہے کہ آپ حویلی فروخت کر دیں۔"

"اچھی بات ہے۔ اگر آپ کی یہی ہدایت ہے تو میں ا ہی فروخت کیے دیتا ہوں۔ اب میں اجازت چاہوں گا"

"اللہ آپ کو جلد صحت یاب کرے۔"

"شکریہ!" انھوں نے کہا اور ابرام خان ہاتھ ملا کر چلا گیا۔

جلد ہی سادہ لباس والے نے اطلاع دی کہ کوئی سر
عدیل آئے ہیں۔

"اوہ — اچھا خیر — انھیں بھی اندر بھیج دو۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" اکرام نے گھبرا کر کہا۔

"بھئی — اس کیس سے متعلقہ لوگوں سے تو ملاقات کر
ہی لینی چاہیے۔" وہ مسکرائے۔

اور عدیل اندر داخل ہوا۔

"اس حادثے کے بارے میں سن کر بہت پریشانی ہوئی
بس ملنے کے لیے بے چین ہو گیا — امید ہے آپ بُرا
نہیں مانیں گے۔"

"نہیں بھئی — اس میں بُرا ماننے کی کیا بات ہے — آپ
تو ویسے بھی بہت اچھے آدمی ہیں — آپ کے خیالات
ہمیں بہت پسند آئے ہیں۔"

"پرنس داراب اور اس کے باپ والا معاملہ کہاں
تک پہنچا۔"

"وہ تو کہیں تک نہیں پہنچا، ہاں اس معاملے نے ہمیں
یہاں تک ضرور پہنچا دیا ہے۔" فاروق بولا — کمرے میں
ایک بار پھر مسکراہٹیں پھیل گئیں۔

"بہت جلد میں اس کیس سے پردہ اٹھاؤں گا —

یہاں سے فارغ ہونے کی دیر ہے — ویسے ایک بات
— اکرام خان کو جانتے ہیں آپ۔"

"اکرام خان — حویلی کے سلسلے میں ان کا نام سننے میں
آیا ہے — یہ کہ باروتان سے حویلی انھوں نے خریدی

"کہیں اس شخص کا کوئی تعلق پرنس اور سر سلطان
سے تو نہیں؟"

"اگر آپ پسند کریں تو میں یہ معلوم کرنے کی
کوشش کر سکتا ہوں۔"

"وہ کیسے؟"

"ریاست کا ایک کافی عمر رسیدہ آدمی اب دارالحکومت
میں رہتا ہے — میں اس سے ملاقات کروں گا۔"

"میرا خیال ہے — اکرام تم ان کے ساتھ چلے جاؤ —
یہ کام بہت ضروری ہے۔"

"او کے سر — میں تو خود یہی چاہتا ہوں کہ آپ
بس آرام کر لیں — اور میں کام کرتا پھروں۔"

"تم میں خلوص اور وفاداری کوٹ کوٹ کر بھری ہے اکرام —
میں جانتا ہوں — ان کے ساتھ جاؤ۔" انسپکٹر جمشید نے
جذباتی انداز میں کہا۔

اکرام عدیل کے ساتھ چلا گیا — اسی وقت ملاقاتیوں کی آمد شروع ہو گئی — لیکن ڈاکٹر صاحبان نے اس معاملے کو سنبھال لیا اور کسی کو اندر آنے کی اجازت نہ دی — ایک گھنٹے بعد اکرام کی واپسی ہوئی —

"ہم نے معلوم کر لیا ہے سر — ابرام خان کا سر سلطان داراب کے گھرانے سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں۔"

"گویا — اس سازش میں اس کا ہاتھ نہیں ہو سکتا؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"ابا جان! یہ ریاست میری سمجھ میں نہیں آئی — آخر ریاست کے لوگ کس قسم کے ہیں؟"

"میں بھی انہی خطوط پہ سوچ رہا ہوں — اور ہم پر حملہ بھی شاید اسی بنا پر کرایا گیا ہے کہ ہم نے ان گھروں کو اندر سے دیکھ لیا ہے — اب ان کا راز راز نہیں رہ جاتا — اگر وہ ہمیں راستے سے نہیں ہٹا دیتے — پہلی کوشش کر چکے ہیں — انھیں یہ بھی خبر مل چکی ہے کہ ہم اس حملے سے بال بال بچے ہیں — لہٰذا وہ دوسرا وار کریں گے — اور ہمیں ہر طرح ہوشیار رہنا چاہیے۔"

"ہم ہوشیار کس طرح رہ سکتے ہیں — ہم تو بستروں پر

ے ہیں۔" فاروق بولا۔

"ہم یہاں نہیں رہیں گے — یا پھر پورا ہسپتال ملٹری کے پہرے میں دے دیا جائے۔" انسپکٹر جمشید نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"لیکن ابا جان — اس طرح تو ہمیں یہیں رکنا پڑے گا جب کہ کیس ہمیں پکار رہا ہے —" فاروق نے بے چین ہو کر کہا۔

"خیر تو ہے فاروق — بہت کام کے موڈ میں نظر آ رہے ہو۔"

"ہسپتال کی زندگی میرے لیے عذاب ہے — اس لیے۔" وہ مسکرایا۔

"تم فکر نہ کرو — ہم یہاں سے نکلنے کی کوئی تدبیر کریں گے — ڈاکٹر صاحبان تو ہمیں اجازت دیں گے نہیں۔"

رات کے وقت انھوں نے اپنی تدبیر پر عمل شروع کیا — ہسپتال سے نکلنا ان کے لیے زیادہ مشکل ثابت نہیں ہوا — وہ سیدھے ابرام خان کی طرف روانہ ہوئے — انھوں نے دیکھا — گھر کے اندر روشنی ہو رہی تھی اور باہر بہت سی کاریں جمع تھیں۔

"اوہو — یہاں تو شاید بہت سے لوگ جمع ہیں — ہم خفیہ طور پہ کیوں نہ اندر داخل ہو جائیں۔"

"بالکل ٹھیک۔" فاروق نے پُرجوش انداز میں کہا۔

"تب پھر اپنا کام شروع کرو۔"

فاروق نے پہلے تو صدر دروازے پر دباؤ ڈال کر دیکھا، پھر کوٹھی کا ایک چکر لگایا — اور آخر مایوس ہو کر واپس آگیا۔

"اندر داخل ہونے کا کوئی راستہ نظر نہیں آیا۔"

"کیا مطلب — کیا تمہارا دوست پرنالہ نہیں ہے پچھلی طرف؟" فرزانہ نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"نہیں — یہی تو افسوس ہے۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔

"اب کیا کریں ابا جان۔" محمود بولا۔

انسپکٹر جمشید نے کوٹھی کے دروازے کا جائزہ لیا — پھر ادھر ادھر بھی دیکھا — آخر ان کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی — وہ ساتھ والی کوٹھی کے دروازے کی طرف بڑھے — اس وقت رات کا ایک بج رہا تھا — انہوں نے گھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھ دی — تین منٹ بعد دروازہ کھلا اور ایک جھنجھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"کیا آپ لوگ رات کو سوتے نہیں؟"

"جب کوئی کام آ پڑتا ہے — تو نہیں سوتے — ویسے ضرور سوتے ہیں۔" فرزانہ بولی۔

"خیر فرمایئے — آپ کو ہم سے کیا کام آ پڑا ہے؟"

"ہم آپ لوگوں کی کوٹھی میں داخل ہو کر اوپر جانا چاہتے ہیں — اوپر جا کر ساتھ والی کوٹھی کی چھت پر جانا چاہتے ہیں — تاکہ اس کوٹھی میں داخل ہو سکیں۔"

"کیا مطلب — کیا آپ چور ہیں — ڈاکو ہیں۔" وہ کانپ گیا۔

"نہ چور ہیں نہ ڈاکو — میرا کارڈ دیکھ لیں — اور ذرا جلدی کریں۔"

کارڈ دیکھ کر اس کی آنکھیں پھیل گئیں — دو منٹ بعد وہ ابرام خان کی چھت پر اتر کر زینے کا رخ کر رہے تھے — کم از کم زینہ انہیں کھلا ملا تھا —

بولی دو

نیچے ایک کمرے میں بہت سے لوگ جمع تھے — ان سب
کے درمیان ابرام خان بیٹھا تھا — کمرے کا دروازہ تھوڑا سا
کھلا تھا — وہ دبے پاؤں دروازے تک آئے اور یہ منظر
دیکھنے میں کامیاب ہو گئے — اندر والوں کو ان کی موجودگی
کا ابھی تک احساس نہیں ہو سکا تھا:

"آخر تم چاہتے کیا ہو ابرام خان؟"

"مجھ سے تصویر فروخت کر دینے کی غلطی ہو گئی —
ورنہ میں حویلی کبھی فروخت نہ کرتا — میں نہیں جانتا، اس
تصویر میں کوئی چیز چھپی ہوئی تھی — کیا راز تھا — کچھ
تھا ضرور — وہ راز اب کسی اور کے ہاتھ میں ہے —
لیکن اتنے بہت سے لوگ آخر حویلی کیوں خرید لینا
چاہتے ہیں — تصویر آپ سب کے پاس تو نہیں ہو
سکتی۔" ابرام خان نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔

"آپ کو اس سے کیا — آپ حویلی کی قیمت لگائیں — اور
بس — تصویر جس کے پاس بھی ہو گی — وہ حویلی کے
نئے خریدار سے خود بات کرے گا — اور اگر وہ شخص
یہاں ہمارے درمیان میں موجود ہے — تب وہ حویلی کی
سب سے زیادہ قیمت لگا کر اسے خرید لے گا۔"
ان میں سے ایک نے کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" ایک اور آواز ابھری۔

"کیا کیسے ہو سکتا ہے — سیٹھ گردھاری لال — تم کیا
کہنا چاہتے ہو؟"

"یہ کہ — ہو سکتا ہے — وہ بالکل غریب آدمی ہو —
میرا مطلب ہے — تصویر تو اس نے ویسے ہی اڑا لی
ہے نا — خریدی تو نہیں ہے — اب حویلی خریدنے کے
لیے رقم کی ضرورت ہے — اور اگر رقم اس کے پاس نہیں
ہو گی تو حویلی کس طرح خرید سکے گا — کیا خیال ہے؟"

"سیٹھ گردھاری لال کی بات بہت معقول ہے — لیکن
شاید — تصویر جس کے پاس ہے — وہ بعد میں حویلی کے
خریدار سے بات کرے — اور تصویر بھی خرید لینے کی
پیش کش کرے — یا پھر اس سے کہے کہ اس معاملے
میں شراکت کر لی جائے — اس طرح حویلی کا خریدار

اور تصویر والا شخص مل کر فائدہ اٹھانے کی کوشش کر سکتے ہیں۔
مسٹر ابرام — آپ حویلی کی قیمت لگائیں — ادھر ادھر کی کوشش
کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔"

"مجھے سب سے زیادہ حیرت پتا ہے — کسی بات پر
ہے۔" ابرام خان بولے۔

"پہلے بتا دیں — کس بات پر ہے۔" مسٹر گردھاری لال
نے منہ بنا کر کہا۔

"آخر تصویر اڑانے والے نے مجھ سے معاملہ کیوں طے
کرنے کی کوشش نہیں کی۔"

"یہی تو آپ سمجھے نہیں —" ایک اور شخص نے ہنس
کر کہا۔

"کیا نہیں سمجھا — ذرا آپ سمجھا دیں نا۔" ابرام خان نے
منہ بنایا۔

"تصویر جس شخص کے پاس ہے — وہ خود کو سامنے
نہیں لانا چاہتا — کیونکہ اس پر اغوا اور چوری کا مقدمہ
بن چکا ہے — جونہی وہ سامنے آئے گا، گرفتار کر لیا
جائے گا۔"

"بات یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"لہذا وہ خفیہ رہنا چاہتا ہے — جو شخص بھی حویلی

خریدے گا — وہ تصویر اس کے ہاتھ خفیہ طور پر ہی فروخت
کرے گا۔"

"تو وہ مجھ سے بھی تو خفیہ رہ کر بات کر سکتا تھا۔"

"وہ جانتا ہے — آپ کے پاس اتنی دولت کہاں؟"
سیٹھ گردھاری لال نے کہا۔

"ہوں! بات سمجھ میں آ گئی — اس کا مطلب یہ ہوا کہ
حویلی فروخت کر دینے میں ہی میرا فائدہ ہے۔"

"ہاں! اتنی دیر سے ہم یہی بات تو آپ کے ذہن میں
بٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"تب پھر — میں حویلی کو فروخت نہیں کروں گا —" ابرام
خان نے مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

"حویلی کی بولی دی جائے گی — جو بڑھ کر بولی لگائے
گا — حویلی اس کے ہاتھ فروخت کی جائے گی۔"

"اوہ — ابرام خان — تم بہت چالاک ہو — خیر ہمیں یہ
بات بھی منظور ہے — بلکہ میں تو تمہاری بات سن کر خوش
ہوا ہوں۔" سیٹھ گردھاری لال نے کہا۔

"خوش کیوں ہوئے ہیں۔"

"اس لیے کہ یہاں موجود لوگوں میں سب سے زیادہ

دولت میرے پاس ہے۔"

"آپ کا یہ خیال درست نہیں سیٹھ صاحب۔" ایک آواز ابھری:

"آپ — مسٹر اجمل کھنڈو — یہ جملہ آپ نے کہا۔

"ہاں! بے شک یہ الفاظ میرے ہیں۔"

"میں جانتا ہوں — آپ لوگوں کو سود پر رقمیں دیتے ہیں — لیکن یہ کاروبار اتنا بڑا نہیں — جب کہ میری شہر میں کئی ملیں ہیں۔"

"ہاتھ کنگن کو آرسی کیا — بولی شروع کرائیے — دن میں تارے نہ دکھا دوں تو میرا نام بھی اجمل کھنڈو نہیں۔" اس نے مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے کہا۔

"آپ مسٹر اجمل — سود کا کاروبار کرتے ہیں۔" ایک اور شخص نے پوچھا۔

"ہاں! سیٹھ تنویر۔"

"اور آپ مسلمان ہیں۔"

"بالکل ہوں — تو پھر کیا ہوا۔"

"لیکن سود تو مسلمان کے نزدیک بالکل حرام ہے — ناجائز ہے۔"

ٹھ تنویر آپ کیا باتیں لے بیٹھے — بولی شروع کرائیے۔"
نڈو نے کہا۔

ل ٹھیک ہے — ہمیں کیا — یہ ان کا ذاتی معاملہ ہے۔"

ابرام خان — آپ بولی شروع کریں۔"

چاس لاکھ۔" ابرام خان نے کہا۔

ساٹھ لاکھ —" سیٹھ گردھاری نے فوراً کہا۔

ستر لاکھ —" سیٹھ تنویر بولا۔

اسی لاکھ —" اجمل کھنڈو نے پھر مونچھوں پر تاؤ دیا۔

سیٹھ گردھاری لال نے اسے گھور کر دیکھا اور پھر
ت زدہ انداز میں بولا:

"ایک کروڑ۔"

"دو کروڑ۔" سیٹھ تنویر نے کہا۔

"دس کروڑ —" اجمل کھنڈو نے بلند آواز میں کہا۔

"کیا!!!" سب لوگ ایک ساتھ چلائے۔

ان کے رنگ اڑ گئے۔

"اجمل کھنڈو — آپ شاید ہوش میں نہیں ہیں۔" سیٹھ گردھاری لال نے بھنا کر کہا۔

"آپ کو اس سے کیا — آپ بولی آگے بڑھائیں۔"

سیٹھ گردھاری لال نے بے بسی کے عالم میں دوسرا

کی طرف دیکھا — انھوں نے بھی کندھے اچکائے۔

"تو کیا — آپ میں سے کوئی دس کروڑ سے آگے نہیں بڑھے گا —" ابرام خان نے پریشان ہو کر کہا۔

انھوں نے کوئی جواب نہ دیا۔

"لیکن ابرام خان — آپ کیوں پریشان ہیں؟"

"بولی میری امیدوں سے بہت کم پر ختم ہو رہی ہے — میں پریشان کیوں نہ ہوں۔" اس نے بُرا سا منہ بنایا۔

"ابرام خان — اللہ کا خوف کرو — دو لاکھ روپے کی خریدی ہوئی حویلی کے تمھیں دس کروڑ روپے مل رہے ہیں —"

"لیکن حویلی اس سے کہیں زیادہ قیمت کی ہے۔"

"ابھی اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا — تصویر کا معاملہ درمیان میں ہے — ہم لوگ تو دراصل جوا کھیل رہے ہیں — دس کروڑ کی یہ رقم ضائع بھی ہو سکتی ہے۔"

"تو کیا — میں بولی ختم کر دوں۔" ابرام خان بولا۔

کسی نے کچھ نہ کہا — آخر وہ بولے:

"ٹھیک ہے اجمل کھنڈو صاحب — آپ رقم کا بندوبست کریں — صبح حویلی کی رجسٹری ہو گی۔"

"رقم بالکل تیار ہے۔"

انسپکٹر جمشید نے انھیں پیچھے ہٹ آنے کا اشارہ کیا اور پھر وہ اسی راستے سے باہر نکل آئے:

"اب یہاں رُکنے کی ضرورت نہیں — ہمیں ایک بہت ضروری کام کرنا ہے۔" وہ بولے۔

"اور وہ کیا ابا جان۔" تینوں نے ایک ساتھ کہا۔

"آؤ — جلدی کرو۔"

وہ اسی وقت گاڑی میں روانہ ہوئے اور ٹیلی فون ایکس چینج پہنچے — وہاں کے عملے سے ان کی پہلے ہی گاڑھی چھنتی تھی — انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا — انسپکٹر جمشید نے انھیں بتایا کہ کیا کام ہے — اس انتظام کے بعد وہ سیدھے اپنے گھر آئے — جونہی دروازہ کھلا — بیگم جمشید کا سرخ چہرہ نظر آیا:

"میں آپ کی جاسوسی سے تنگ آ چکی ہوں۔"

"خیریت۔"

"ایک سو تیس مرتبہ کھانا گرم کر چکی ہوں — پچاس مرتبہ چائے گرم کر چکی ہوں — اور رات رات بھر جاگتے رہتی ہوں — کہ نہ جانے کب آپ آ جائیں۔"

"واقعی — یہ تو آپ کے ساتھ بہت زیادتی ہے — اس کا تو کوئی نہ کوئی حل تلاش کرنا ہو گا — کیوں ابا جان۔"

کہا اور ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو — ٹیلی فون ایکس چینج سے بات کر رہے ہیں سر —
فوراً توجہ فرمائیں۔"

بیگم جمشید نے الجھن کے عالم میں ان پر ایک نظر ڈالی اور
پھر بڑا سا منہ بنا کر بولیں:

"لیجیے — یہ فون تو آپ کو ہی سننا پڑے گا۔"

اور انھوں نے مسکرا کر فون کا ریسیور لے لیا — پھر بولے:

"ہاں بھئی — کیا کہا — فون پہلے میری بیگم کے ہاتھ میں تھا۔"

"سر — اس نمبر سے بات کی جانے والی ہے — نمبر ڈائل
کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے — ہم نے آپ کے حکم کے
مطابق نمبر نہیں ملنے دیا — اب آپ ریسیور اٹھائے رہیں —
سلسلہ ملنے پر گفتگو سن لیں۔"

"بہت خوب — شکریہ — اب اس کا سلسلہ مل جانے دیں۔"
وہ بولے۔

مزے کی بات

"ہیلو — ہیلو — کون سیٹھ گردھاری لال — مجھے آپ سے ہی
ت کرنا ہے —" ایک آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

"ہاں جناب! میں سیٹھ گردھاری لال ہوں — فرمایئے — آپ
ن ہیں اور کیا بات کرنا چاہتے ہیں۔" گردھاری لال کی آواز
ں میں آئی۔

"میں کون ہوں — اس بات کو چھوڑیں — میرے سننے میں
بات آئی ہے کہ آپ نے حویلی خرید لی ہے۔"

"ہاں! یہ بات بالکل درست ہے — میں نے اپنی زندگی
بہت بڑے بڑے سودے کیے ہیں بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ
ت بڑے بڑے داؤ لگائے ہیں — ایک طرح سے خوفناک
ک بڑا جوا کھیلتا رہا ہوں — میرا ہر داؤ ہمیشہ ٹھیک
تا رہا اور اس طرح میں ارب پتی بن چکا ہوں — ساری
م کا ایک داؤ یہ کھیلا ہے — لیکن آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

ہے کہ اس تصویر کے بغیر حویلی بے کار ہے۔ آپ ساری زندگی بھی حویلی کی زمین کی کھدائی کراتے رہیں۔ کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ جب تک کہ آپ کے پاس تصویر نہ ہو اور تصویر آپ کے پاس ہے نہیں۔"

"تت۔ تو کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ تصویر آپ کے پاس ہے۔"

"ہاں! میں نے ہی تصویر پروفیسر داؤد کے ہاں سے اڑائی تھی اور ساتھ ہی ان لوگوں کو اغوا بھی کرایا تھا۔ تاکہ وہ لوگ تصویر کے بارے میں کسی کو بتا نہ دیں۔"

"اوہ میں سمجھ گیا۔ لیکن آپ نے حویلی خریدنے کی کوشش کیوں نہ کی۔"

"میرے پاس اتنی دولت کہاں۔ اگر دولت ہوتی تو آپ ہرگز حویلی نہ خرید سکتے۔"

"خیر۔ آپ اس تصویر کے کتنے پیسے چاہتے ہیں۔"

"آپ نے حویلی کتنے میں خریدی ہے۔"

"دس کروڑ میں۔" وہ بولے۔

"بس تو پھر۔ تصویر بھی دس کروڑ میں خریدنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ کیونکہ اصل چیز تو تصویر ہے۔" آواز سنائی دی۔

"کیا کہا۔ دس کروڑ کی تصویر۔" سیٹھ گردھاری لال نے بوکھلا کر کہا۔

"ہاں! اس لیے کہ۔ تصویر کے بغیر حویلی دو لاکھ کی بھی نہیں۔"

"آپ سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے۔"

"میں آپ کو اس سلسلے میں پھر فون کروں گا۔"

آواز آنا بند ہو گئی تو انسپکٹر جمشید بولے:

"یہ شخص کہاں سے بات کر رہا تھا۔"

"ایک دور دراز علاقے کے پبلک فون بوتھ سے۔"

"علاقے کا نام اور بوتھ کا نمبر بتا دیں۔ اس کی نگرانی کرانا ہو گی۔ اگرچہ اب وہ فون اس بوتھ سے شاید ہی کرے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"حضوری روڈ بوتھ نمبر ۵۰۴۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"ایک بار پھر فون کیا جائے گا۔ سلسلہ مجھ سے فوراً ملا دیجیے گا۔"

"او کے سر۔ آپ فکر نہ کریں۔"

سلسلہ بند ہونے پر انھوں نے اکرام کو فون کیا۔

"ہیلو اکرام۔ تمھیں دو کام کرنے ہیں۔ پہلا تو یہ کہ حضوری روڈ کے بوتھ نمبر ۵۰۴ کی باقاعدہ نگرانی کرانا ہے۔

اور دوسری بات جو اس سے بھی زیادہ اہم ہے — وہ بھی سن لو —"

یہ کہہ کر انھوں نے دوسری ہدایت بھی فون پر کر دی۔

"مجرم کے گرد اب میرا جال پختہ ہوتا جا رہا ہے — لیکن ہو سکتا ہے — وہ ہم سے بھی زیادہ چالاک نکلے۔"

"گویا مجرم وہی شخص ہے — جس نے پروفیسر انکل اور ان کے ساتھیوں کو اغوا کیا تھا۔"

"ہاں بالکل۔"

"مزے کی بات یہ ہے کہ پروفیسر صاحب کے مل جانے کے بعد بھی ہم ان سے کچھ نہیں معلوم کر سکے۔"

"پتا نہیں — انھیں ہوش آیا یا نہیں — بہرحال اب ہم فارغ ہیں — ہسپتال ہو آتے ہیں۔"

وہ ہسپتال پہنچے — بیگم جمشید کمرے سے باہر ہی انھیں نظر آ گئیں۔

"یہ اچھا کیا بیگم کہ تم یہاں آ گئیں — ان لوگوں کو ہوش آیا ہے یا نہیں؟"

"جی ہاں، تھوڑی دیر پہلے ہی آیا — لیکن ابھی حواس گم ہیں۔"

"آؤ — ان کے حواس واپس لانے کی کوشش کرتے ہیں۔"

"لیکن ڈاکٹر صاحبان کا کہنا ہے — کہ ابھی ان سے کچھ نہ پوچھا جائے۔"

"ایک تو یہ ڈاکٹر صاحبان..... ہر جگہ ٹانگ اڑا دیتے ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"خیر — دیکھ لیتے ہیں — آؤ۔"

وہ اندر داخل ہوئے — پروفیسر داؤد، شائستہ اور دوسروں کی آنکھیں کھلی تھیں — لیکن وہ اپنے ہوش میں نظر نہیں آ رہے تھے — جب یہ لوگ ان پر جھکے تو بھی ان میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

"السلام علیکم — کیا آپ لوگ بات چیت کرنے کے قابل ہیں —" انسپکٹر جمشید نے دھیمی آواز میں کہا۔

"ہم — یہ تو جمشید کی آواز ہے۔" پروفیسر اس طرح بولے، جیسے گہری نیند سے چونکے ہوں۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ آواز میری ہی ہے — لیکن شکر ہے — آپ ہوش میں آ چکے ہیں —"

اب انھوں نے پوری طرح آنکھیں کھول دیں — پھر گھبرا کر بولے:

"اُف جمشید — یہ — یہ سب کیا تھا؟"

"یہ تو انکل ہم آپ سے معلوم کرنے آئے ہیں کہ

سب کیا تھا۔"

"ہاں پروفیسر صاحب۔ آپ نے ہمیں فون کیا تھا—فون پر یہ الفاظ کہے تھے—بھئی جمشید مزا آ گیا—فوراً آؤ—ہم تجربہ گاہ پہنچے تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا—آپ کو اغوا کر لیا گیا تھا— ہم نے آپ کی تلاش شروع کی—اور آخر اس مکان تک پہنچ گئے جس میں آپ کو رکھا گیا تھا—لیکن آپ بے ہوش تھے—کسی دوا کے انجکشن آپ کو لگائے جاتے رہے تھے— تاکہ آپ شور نہ مچائیں۔"

"ہوں— مجھے یاد آ گیا—بات واقعی بہت مزے کی تھی— لیکن افسوس— بتانے سے پہلے ہی ہمیں اغوا کر لیا گیا۔"

"تو پھر— مہربانی فرما کر اب تو بتا دیں۔" محمود نے بے تاب ہو کر کہا۔

"ہاں! ضرور کیوں نہیں—جمشید—تم تو جانتے ہو—میں آرٹ کا بہت شوقین ہوں—کہیں کوئی آرٹ کا اچھا نمونہ نظر آ جائے، تو اس کو خرید لینے کی کوشش کرتا ہوں— چند دن پہلے میں ایک آرٹ گیلری میں گیا—اس میں مجھے ایک عجیب و غریب اور خوفناک سی تصویر نظر آئی—بس میں اس کو خرید لایا—گھر لا کر جب اس کا بغور معائنہ کیا—تو اس کا فریم لکڑی کے بجائے کسی اور چیز کا ثابت ہوا—

اگرچہ بظاہر وہ لکڑی کا تھا، لیکن دراصل کسی دھات کا تھا— میں نے اس پر اور غور کیا تو وہ فریم اندر سے کھوکھلا بھی نظر آیا—اب تو اس کو کھولنا پڑا—فریم کے اندر کچھ کاغذات اور ایک نقشہ تھا—کاغذات کا مطالعہ شروع کیا تو وہ ریاست نواب کی سنسنی خیز کہانی تھی—اور اس میں ذکر تھا کہ ریاست کے والی نے ایک نوجوان کو قتل کر دیا تھا—اور سزا سے بچنے کے لیے اس کے بھائی کو اپنی حویلی دے دی تھی—لیکن حویلی میں اس نے انگریز سے حاصل کیا ہوا ایک بہت بڑا خزانہ چھپا رکھا تھا—اس کا باقاعدہ ایک نقشہ بھی بنایا گیا تھا— کیونکہ خزانہ چھپانے کے لیے ایک انجینئر کی مدد حاصل کی گئی تھی—جب اس انجینئر نے خزانہ چھپانے کے لیے خفیہ جگہ بنا دی تو اس کو بھی قتل کر دیا گیا—تاکہ وہ کسی کو کچھ بتا نہ دے یا خزانہ خود حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے، ریاست کے والی کا پروگرام یہ تھا کہ جب ضرورت پڑے گی تو خفیہ طور پر خزانہ نکال لیا جائے گا—مقتول کے بھائی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو گی—لیکن پھر ایسا ہوا کہ ریاست کا والی اچانک مر گیا—وہ خزانہ حویلی میں جوں کا توں رہ گیا—یہاں تک کہہ کر پروفیسر داؤد خاموش ہو گئے۔

"بس—پروفیسر صاحب—اور کچھ نہیں لکھا تھا۔"

"نہیں۔ اس کے علاوہ تو بس نقشہ تھا۔ میں نے یہ سب کچھ دیکھ کر فوری طور پر تمہیں فون کر ڈالا۔ لیکن اسی وقت ہم پر حملہ ہو گیا۔"

"ہوں۔ سوال یہ ہے کہ وہ تصویر کس نے بنائی تھی۔ اور اس کے فریم میں وہ نقشہ اور معلومات رکھنے کی اسے کیا ضرورت تھی۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"بھلا یہ میں کیسے بتا سکتا ہوں۔" انھوں نے کہا۔

"آپ فکر نہ کریں۔ یہ باتیں ہم خود معلوم کریں گے۔ تصویر کے بارے میں ہمیں فرزانہ سے معلوم ہو گیا تھا۔ ہم نے تجربہ گاہ میں اور رہائشی حصے میں اس کو تلاش کیا، لیکن تصویر کہیں نہ ملی۔ اور پھر تو تصویر اور حویلی کا چکر چل گیا۔" انسپکٹر جمشید نے انھیں بتایا۔

"کیا مطلب؟"

"بہتر تو یہ ہے کہ ابھی آپ حالات نہ سنیں۔ کیونکہ اس طرح آپ کا ذہن اور الجھے گا۔ ہم اس کیس کو اب ختم کرنے ہی والے ہیں۔ اطمینان سے بیٹھ کر مکمل داستان سنا دیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔" وہ مسکرائے۔

ان سے رخصت ہو کر وہ باہر نکلے۔

"اب نہ جانے۔ وہ نامعلوم آدمی سیٹھ گردھاری لال کو کب فون کرتا ہے اور کب ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ کس طرح لین دین کرتے ہیں۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"اس کام میں انتظار بھی تو کرنا پڑتا ہے۔ جو سراغرساں انتظار نہیں کر سکتا۔ وہ کامیاب سراغرساں بن نہیں سکتا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"ویسے ابا جان۔ کیا اتنا بڑا خزانہ اس شخص گردھاری لال کا ہو جائے گا؟"

"اس سلسلے میں سرکاری وکیل سے بات کی جائے گی۔ میں تو یہی کہتا ہوں کہ ملک کے خزانے میں شامل ہونا چاہیے۔"

تین گھنٹے بعد ایکس چینج والوں کی طرف سے پیغام ملا۔ وہ فوراً دوسری طرف ہونے والی گفتگو سننے لگے۔ سیٹھ گردھاری لال کہہ رہا تھا:

"ہاں جناب۔ آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"میرا خیال ہے۔ میری نگرانی ہو رہی ہے۔ اب میں خفیہ طور پر آپ سے رابطہ قائم کروں گا۔ بس اس سے زیادہ فون پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

ان الفاظ کے فوراً بعد ریسیور رکھنے کی آواز سنائی دی۔

"ہاں بھئی۔ اس مرتبہ اس نے فون کہاں سے کیا؟"

"شہر کے ایک دوسرے حصے کے پبلک فون بوتھ سے — بوتھ کا نمبر ۵۱۴ ہے — گرین ٹاؤن —"

"شکریہ —" انھوں نے کہا اور اکرام کے نمبر ڈائل کیے۔

"کیا رہا اکرام؟"

"آپ کا خیال سو فیصد درست نکلا سر۔"

"اوہ — تب تو واقعی مزا آ جائے گا۔" انسپکٹر جمشید چہکے۔

"مزے میں سے کچھ حصہ ہمیں بھی مل جائے ابا جان۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"بس بھئی — ذرا دیر اور صبر کرو — میں ان لوگوں کو جمع کر لوں۔" انھوں نے کہا۔

"جی — کن لوگوں کو؟"

"اس کیس سے متعلق لوگوں کو۔"

"تو کیا آپ جان چکے ہیں — مجرم کون ہے؟" فرزانہ بولی۔

"ہاں! صرف یہ جان چکا ہوں — بلکہ یہ بھی جان گیا ہوں کہ چکر دراصل کیا ہے۔"

"تب پھر جلد از جلد جمع کر لیں — کیونکہ اب ہم سے اور صبر نہیں ہو رہا۔"

"بس دیکھتے جاؤ — میں اب فون کرنا شروع کرتا ہوں۔"

وہ ادھر ادھر فون کرنے لگے — ایک گھنٹے بعد وہ وہاں

ے روانہ ہوئے — ان کا رخ سیٹھ گردھاری لال کی کوٹھی ی طرف تھا — جبکہ محمود، فاروق اور فرزانہ کا خیال تھا کہ آخری معرکہ حویلی میں ہوگا — محمود سے رہا نہ گیا:

"آپ نے سب لوگوں کو حویلی میں کیوں جمع نہ کیا؟"

"اس کی ضرورت نہیں۔" وہ مسکرائے۔

ان کی یہ مسکراہٹ بہت خاص تھی — خاص موقعوں پر ی ان کے چہرے پر نمودار ہوئی تھی۔

Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3

کیا.... نہیں

وہ مقررہ مقام پر پہنچے تو سب لوگ پہنچ چکے تھے۔
یہ مقررہ مقام ابرام خان کا گھر تھا۔ انھوں نے اٹھ کر انسپکٹر جمشید کا استقبال کیا۔

"میں نے آپ سب کو یہاں اس لیے جمع کیا ہے کہ اس کیس میں سب سے پہلے ہمارا واسطہ ابرام خان سے پڑا تھا۔ حویلی کا چکر دراصل ان سے شروع ہوا تھا۔ آپ دیکھ رہے ہیں، یہاں پرنس داراب اور ان کے والد بھی موجود ہیں ۔ یہ ان حضرات کی مہربانی ہے کہ تشریف لے آئے۔ میرا خیال ہے، اب میں باقاعدہ کارروائی شروع کروں۔"

"ہاں! ہم حیران ہیں۔ آخر آپ نے ہم سب کو یہاں کس لیے جمع کیا ہے۔"

"میں ابھی وجہ بیان کروں گا۔ اور یہ بھی بتاؤں گا کہ

اور تصویر کا چکر آخر ہے کیا۔ کیس کی ابتدا اس
ہوئی کہ ہمارے بہت ہی قریبی اور مہربان دوست
شہور زمانہ سائنس دان پروفیسر داؤد صاحب کا فون
۔ انھوں نے فون پر صرف ایک جملہ کہا۔ اور وہ جملہ
تھا، جمشید مزا آ گیا۔ فوراً پہنچو۔ ہم اسی وقت اپنے
ت خان رحمان صاحب کو ساتھ لے کر ان کے ہاں
چے۔ لیکن یہ مزے سمیت وہاں سے غائب تھے۔ ہمارے
ہاں پہنچنے سے پہلے ہی انھیں، ان کی بیٹی اور ان کے
وں کو اغوا کر لیا گیا تھا۔ ہم بہت حیران ہوئے کہ
کیا بات ہوئی، ادھر تو انھوں نے ہمیں فون کیا اور
ادھر انھیں اغوا بھی کر لیا گیا۔ گویا اغوا کرنے والے
پہلے سے تیار بیٹھے تھے کہ کب یہ ہمیں فون کریں اور
کب یہ اغوا والا کام شروع کریں۔ خیر۔ ہم نے جائے
واردات کا بغور معائنہ کیا، ہماری تفتیش نے ہمیں بتایا
کہ پروفیسر صاحب وغیرہ کو واقعی اغوا کیا گیا تھا۔ حیرت
بہت بڑھ گئی تھی۔ اس میں اور اضافہ میری بچی نے
کر ڈالا۔ جب اس نے بتایا کہ چند روز پہلے پروفیسر
صاحب نے ایک عجیب و غریب تصویر خریدی تھی۔
اس تصویر میں جو منظر تھا۔ وہ بھی فرزانہ نے ہمیں

بتایا — کیوں کہ پروفیسر صاحب کی بچی نے اسے ساری تفصیل
بتائی تھی — ہمیں معلوم ہوا کہ وہ ایک ایسی تصویر تھی —
جس میں ایک نوجوان شہزادہ ہاتھ میں خون آلود تلوار لیے
کھڑا تھا اور اس کے قریب ہی ایک سیڑھی پر سے
ایک خون آلود ہاتھ لٹکا نظر آ رہا تھا — گویا سیڑھی
پر کوئی لاش موجود تھی — خون رس رس کر فرش پر
آ رہا تھا —

تصویر واقعی عجیب تھی — ہم سوچ میں پڑ گئے — آخر
اس آرٹ گیلری تک پہنچے — جس سے پروفیسر صاحب نے
تصویر خریدی تھی — آرٹ گیلری والوں نے اس بات کی
تصدیق کی کہ تصویر ان سے ہی خریدی گئی تھی — ساتھ
ہی انھوں نے بتایا کہ تصویر آرٹ گیلری کو مسٹر ابرام خان
فروخت کر گئے تھے — ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہم سارے
شہر میں پروفیسر صاحب کو تلاش کرتے پھرتے، لیکن ہم
نے اپنے خاص طریقے پر عمل کیا — اور تفتیش کی سڑک پر چل
نکلے — یعنی ابرام خان سے ملاقات کی — انھوں نے ایک
نئی بات بتائی — یہ کہ وہ شہر سے باہر ایک پُرسکون جگہ
کی تلاش میں تھے — ایسے میں انھیں ایک بہت پرانی کھنڈر
نما حویلی نظر آئی — اس پر برائے فروخت کا بورڈ بھی

— چنانچہ وہ حویلی کے مالک ہارون تان سے ملے، ہارون تان
نے بتایا کہ وہ واقعی حویلی فروخت کرنا چاہتے ہیں —
سودا دو لاکھ میں ہو گیا — اور حویلی ابرام خان کی
ی — انھیں حویلی کو گرا کر ایک کوٹھی تعمیر کرانا تھی —
نے سے پہلے انھوں نے حویلی کا جائزہ لیا تو ایک
کے آتش دان پر وہ تصویر نظر آئی — یہ خود آرٹسٹ
ہیں — انھوں نے محسوس کیا کہ تصویر آرٹ کا نمونہ ہے
آرٹ گیلری والے اس کے اچھے پیسے دے سکتے ہیں —
ہاتھ آئی تھی — انھوں نے تصویر آرٹ گیلری والوں
فروخت کر دی — ہم نے جب ان سے ملاقات کی تو یہ
پریشان نظر آئے — انھوں نے بتایا کہ وہ تو اس حویلی
ید کر مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہیں — بہت سے لوگ
کو خریدنے کے خواہش مند ہو گئے ہیں — وہ ہر قیمت
حویلی کو مجھ سے خرید لینا چاہتے ہیں — یہ بات سن کر
بہت حیرت ہوئی — پھر ہماری موجودگی میں ہی پرنس
ب ان سے ملنے آئے اور حویلی خریدنے کا شوق ظاہر
یں نے سوچے سمجھے بغیر ان سے کہ دیا کہ حویلی
لاکھ روپے کی ہے — پرنس نے فوراً منظور کر لیا
ایک چیک لکھ دیا اور یہ کہ کر چلے گئے کہ کل آکر

رجسٹری کرالیں گے — ان کے جانے کے بعد مسٹر ابرام
خان بہت ناراض ہوئے — انھوں نے کہا کہ مجھے کوئی حق
نہیں پہنچتا تھا کہ ان کی حویلی کے دام میں لگاؤں — ان
کی ناراضی بجا تھی — چنانچہ میں نے ایسا بندوبست کیا کہ
وہ چیک کیش نہ ہو سکا اور اس بنیاد پر ابرام خان نے سودا
ختم کر دیا — اس دوران ابرام خان کو بہت سے ٹیلی فون
حویلی کو خریدنے کے سلسلے میں آ چکے تھے — شاید اس کی
وجہ یہ تھی کہ پروفیسر داؤد صاحب کے اغوا کی کہانی کی
تفصیلات اخبارات نے بہت بڑی بڑی سرخیوں کے ساتھ شائع
کی تھیں اور ان میں اس تصویر کا ذکر بھی تھا — اس طرح
لوگ ابرام خان تک پہنچ رہے تھے اور یہ بہت پریشان
ہو چکے تھے — ایسے میں پرنس داراب کے چہرے میں
انھیں ایک خاص بات نظر آئی — انھوں نے بتایا کہ پرنس
کا چہرہ اس تصویر والے نوجوان سے بہت ملتا جلتا ہے —
یہ ایک اور حیرت انگیز بات تھی — معاملہ اور الجھتا نظر
آیا — ہم نے ابرام خان سے پوچھا کہ انھوں نے حویلی
کس سے خریدی تھی — معلوم ہوا — ایک شخص باروتان
سے خریدی تھی — ہمیں باروتان کی تلاش ہوئی — لیکن
افسوس ہم اس تک نہ پہنچ سکے — کسی نے پہلے ہی اسے

موت کے گھاٹ اتار دیا تھا — ہم نے فوراً خیالی گھوڑے
دوڑائے — باروتان ہمیں زندہ مل جاتا تو وہ ہمیں بتاتا کہ
حویلی اس نے کس طرح حاصل کی تھی اور دوسرے یہ
کہ وہ تصویر اس میں کیسے موجود تھی — باروتان سے اہم
باتیں معلوم ہو سکتی تھیں، لیکن اسے ختم کر دیا گیا — اب
ہم پرنس داراب سے ملاقات کرنے کے سوا کیا کر سکتے تھے —
ہم نے ان سے پوچھا — کہ یہ وہ حویلی کیوں خریدنا چاہتے
ہیں — یہ کوئی صاف جواب نہ دے سکے — بس گول مول
باتیں کرتے رہے — ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ وہ کچھ چھپا رہے
ہیں اور جلد از جلد حویلی خرید لینا چاہتے ہیں — ایسے میں
مجھے پروفیسر داؤد کی گمشدگی یاد آئی — میں نے سوچا — ہو
نہ ہو — انھیں اغوا کر کے ریاست میں کہیں رکھا گیا ہے —
چنانچہ میں نے پہلے ریاست کے محل کی تلاشی کا پروگرام بنایا
جائے — سر سلطان داراب ناراض تو بہت ہوئے، لیکن ہم نے
بھی تلاشی لینے کی ٹھان ہی لی — آخر محل کی تلاشی لی
گئی — لیکن نہ تو وہاں سے پروفیسر داؤد اور ان کے ساتھی
ملے اور نہ تصویر — اس کے بعد ریاست کے ایک ایک گھر
کی تلاشی لی گئی — وہاں بھی ہمیں کوئی کامیابی نہ ہوئی البتہ
ان گھروں میں ایک عجیب چیز ضرور نظر آئی — دوسرے یہ

کہ سر سلطان داراب نے ایک نئی بات بتائی، یہ کہ ان کے
خلاف کوئی سازش کی گئی ہے اور یہ سازش کرنے والا
——— ان کا بھتیجا ہے — اس کا نام عدیل ہے۔
ہم نے عدیل صاحب سے بھی ملاقات کی — یہ پرنس خاندان
کے مخالف تو نظر آئے — لیکن مخالفت کی انھوں نے
جو وجہ بتائی — ہمارے خیال میں وہ بہت معقول تھی۔
تاہم انھوں نے کہا کہ وہ ان کے خلاف کسی کارروائی
میں ہرگز مشغول نہیں ہیں — ان کے گھر کی بھی تلاشی لی گئی۔

حویلی خریدنے کے خواہش مندوں میں ایک صاحب کالو
بدمعاش بھی ہیں — یہ بھی زبردستی حویلی خریدنے کے
لیے آئے تھے — ان کا کام یہ تھا کہ ابرام خان کو
ڈرا دھمکا کر مجبور کریں کہ وہ حویلی ان کے باس کے ہاتھ
فروخت کر دیں — ہم نے کالو بدمعاش کو گرفتار کر لیا اور
اس طرح اس کے باس تک پہنچے — لیکن باس بھی تصویر
کے بارے میں کچھ نہ بتا سکا —

یہ چکر چلتا رہا — اس دوران مسٹر عدیل سے ملاقات
کے دوران فرزانہ کے کانوں نے ایک ہلکی سی چیخ کی
آواز سنی — ان کے گھر کی تلاشی لی گئی — لیکن اندر کچھ نہ
ملا، باہر نکلے تو فرزانہ نے چیخ پھر سنی — ساتھ والے مکان

کو پروفیسر داؤد اور ان کے ساتھی بندھے مل گئے — مالک
مکان نے بتایا کہ کسی نامعلوم آدمی نے — جو اس سے پہلے
بھی اس قسم کے کام لیتا رہتا ہے — یہ کام کرنے پر مجبور
کیا تھا۔"

ایسے میں ابرام خان نے اطلاع دی کہ خریداروں کا دباؤ
بہت بڑھ گیا ہے — میں نے اسے اشارہ کیا کہ ٹھیک
ہے — فروخت کر دیں — لیکن اس طرح نہیں — باقاعدہ بولی
لگا کر فروخت کریں — یہ تجویز اس لیے کی گئی کہ تمام
خریدار سامنے آ سکیں — ہم نے خفیہ طور پر خریداری کا یہ
منظر دیکھا اور ساری بات چیت سنی —"

"جی — جی کیا مطلب؟" ابرام خان چونک اٹھا۔

"جی ہاں! اس وقت ہم آپ کی کوٹھی کے اندر اس
کمرے کے قریب ہی موجود تھے۔" محمود مسکرایا۔

"کمال ہے — حیرت ہے۔" وہ بڑبڑایا۔

"ضرور ہوں گے۔" فاروق مسکرایا۔

"جی — کیا ہوں گے —؟" ابرام خان کے لہجے میں
حیرت تھی۔

"کام کی بات میں فضول بات کی ٹانگ اڑا دی نا۔"
فرزانہ نے جل کر کہا۔

"یہ تو میرا پرانا کام ہے۔"

"تب پھر ۔۔۔ ایک پرانا کام ہمیں بھی آتا ہے۔" محمود نے منہ بنایا۔

"تو تم بھی کر لو اپنا کام ۔۔۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں بھئی ۔۔۔ یہ وقت ان باتوں کا نہیں ۔۔۔ ہم نے خفیہ طور پر منظر دیکھا ۔۔۔ حویلی کی بولی دی گئی اور یہ بولی سیٹھ گردھاری لال کے نام ختم ہوئی ۔۔۔ یہ بھی سن لیں کہ پچاس کروڑ پر ختم ہوئی۔"

"کیا ۔۔۔ نہیں ۔۔۔" سب لوگ چلا اٹھے۔

"ہاں! لیکن مسٹر گردھاری لال کا مسئلہ صرف حویلی خریدنے تک نہیں تھا ۔۔۔ انہیں ابھی وہ تصویر بھی خریدنا تھی اور انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ تصویر کس کے پاس ہے ۔۔۔ اس شخص نے خود کو ابھی تک چھپایا ہوا تھا ۔۔۔ اس لیے کہ اس پر اغوا کا الزام تھا ۔۔۔ وہ اگر سامنے آ جاتا تو گرفتار کر لیا جاتا ۔۔۔ لیکن شاید گردھاری لال جانتے تھے کہ جونہی اسے معلوم ہو گیا کہ حویلی اس قدر بڑی قیمت پر خرید لی گئی ہے اور خریدنے والا کون ہے تو وہ ضرور تصویر کا سودا کرنے کے لیے مسٹر گردھاری لال سے رابطہ قائم کرے

گا ۔۔۔ اور اس نے ایسا کیا ۔۔۔ کیوں مسٹر گردھاری لال۔" یہ کہہ کر وہ اس کی طرف مڑے۔

"آپ ۔۔۔ آپ یہ بات کس طرح کہہ سکتے ہیں۔"

"میں تو اور بھی کئی باتیں کہہ سکتا ہوں ۔۔۔ یہ کہ اس نے آپ سے فون پر بات کی ۔۔۔ اس نے بھی تصویر کے دس کروڑ روپے مانگے اور آپ نے تصویر خریدنے کے لیے ہاں کر دی ۔۔۔ بس اب تو اتنا کام رہ گیا ہے کہ وہ جگہ اور وقت طے کرے ۔۔۔ پھر آپ کو تصویر مل جائے گی اور آپ کھربوں روپے کے خزانہ کے مالک بن جاتے ۔۔۔ کھربوں روپے کا مالک بننے کے بعد اس ملک کے اقتدار پر قبضہ کرنا آپ کے لیے آسان ہو جاتا ۔۔۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا مسٹر گردھاری لال۔"

"ہاں جناب ۔۔۔ آپ بالکل غلط کہہ رہے ہیں ۔۔۔ میں نے حویلی ضرور خریدی ہے ۔۔۔ تصویر خریدنے کی تیاری بھی کر چکا ہوں ۔۔۔ اس طرح مجھے کھربوں روپے کا خزانہ بھی ضرور مل جائے گا ۔۔۔ لیکن میں نے یہ تو سوچا بھی نہیں کہ اس ملک کا اقتدار حاصل کر لوں گا ۔۔۔ یہ میرا کام نہیں ۔۔۔ میں تو بس ایک کاروباری آدمی ہوں۔"

"خیر ۔۔۔ ہو سکتا ہے ۔۔۔ آپ نے یہ بات نہ سوچی ہو ۔۔۔

کیس کی تمام تر تفاصیل آپ لوگوں کو سنا چکا۔ اب
یہ بات رہ گئی — اور وہ یہ کہ تصویر آخر کس
کے پاس ہے — یہ بات میں کہہ سکتا ہوں — تصویر جس
کے پاس بھی ہے — وہی اس سارے چکر کو چلانے والا
ہے — اور وہی اس کیس کا اصل مجرم ہے۔"

"جی — کیا فرمایا — اصل مجرم —"

عین اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی — وہ سب زور
سے چونکے —

O

"یہ اس وقت کون آ گیا —" کئی آوازیں ابھریں۔

"شاید اصل مجرم صاحب تشریف لے آئے ہیں۔" فاروق
نے چہک کر کہا۔

"دماغ تو نہیں چل گیا — وہ بھلا یہاں کیوں آنے
لگا۔"

"محمود — تم جا کر دیکھو۔"

"نہیں جناب — آپ زحمت نہ کریں — میں دیکھ لیتا
ہوں —" ابرام خان نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ارے ہاں! ہم تو بھول ہی گئے — اس وقت ہم آپ
کے گھر میں ہیں — نہ کہ اپنے۔"

"یہ بات نہیں — میں نے تو آپ کی تکلیف کے خیال
سے کہا تھا۔"

"تو خیر — آپ ہی ملاقاتی کو اندر لے آئیں۔" انسپکٹر
جمشید بولے۔

وہ اٹھا اور باہر چلا گیا — واپس لوٹا تو اس کے
ساتھ اکرام تھا —

"آؤ اکرام — کیا رہا۔"

"انتظامات کر لیے گئے ہیں۔" اس نے کہا۔

"بہت خوب — بیٹھ جاؤ اور یہاں ہونے والی کارروائی سنو۔"
انھوں نے کہا۔

اب وہ پھر سب کی طرف متوجہ ہوئے۔

"میں کہہ رہا تھا کہ تصویر جس کے پاس ہے، وہی
اس کیس کا مجرم ہے — اور ہمیں اس کی تلاش ہے۔"

"تب پھر پہلے آپ کو چاہیے تھا کہ اسے تلاش کرتے،
ہم سب کو یہاں بلانے کی کیا ضرورت تھی۔" گردھاری لال
نے کہا۔

"یہی تو مزے کی بات ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"پیچھے — ایک مزے کی بات پروفیسر انکل بتانے چلے تھے۔
اب آپ بتانے لگے ہیں — اللہ اپنا رحم فرمائے۔"

"ہاں! اللہ اپنا رحم ضرور فرمائیں گے — مزے کی بات
یہ ہے کہ اس کیس کا مجرم — یعنی جس کے پاس تصویر ہے —
ہم لوگوں میں ہی موجود ہے۔"

"کیا — نہیں۔"

سب ایک ساتھ چلائے — ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل
گئیں — اور منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

ان کا جال

"ہاں! میں نے غلط نہیں کہا — وہ ہم ہی سے ایک ہے —
یہ بات میں ابھی ثابت کیے دیتا ہوں، لیکن پہلے یہ سن
لیں کہ ہم کس طرح اس تک پہنچے — اس سارے معاملے میں
سب سے زیادہ اور سب سے پہلے شک کی زد میں پرنس
داراب اور ان کے والد آئے — کیونکہ تصویر پرنس داراب سے
بالکل ملتی جلتی تھی — پہلے تو ہم نے یہ خیال کیا کہ اس
جرم کا تعلق ضرور پرنس داراب سے ہے اور اپنے جرم
پر پردہ ڈالنے کے لیے اسے حویلی کی ضرورت ہے — اس
کی کھدائی سے جرم کا ثبوت مل سکتا ہے — لہذا وہ چاہتے
ہیں کہ حویلی کو خرید کر اس پر ایک کوٹھی بنوا دی جائے تاکہ نہ
رہے بانس نہ بجے بانسری، تصویر میں ایک مقتول کا ہاتھ بھی
دکھایا گیا تھا — لہذا شک ان کے علاوہ اور کسی پر کیا جا
سکتا تھا — چنانچہ اس بات کو سامنے رکھ کر ہم نے اپنا کام

شروع کیا — اس طرح ہمیں حویلی کی کہانی معلوم ہوئی — یہ حویلی اور جاگیر داراب خاندان کو انگریزوں کا ساتھ دینے کے صلے میں ملی تھیں — جب مسلمان انگریزوں سے آزادی کی جنگ لڑ رہے تھے تو کچھ نام کے مسلمان ایسے بھی تھے جنھوں نے مسلمانوں کا نہیں، انگریزوں کا ساتھ دیا تھا — گھر کے ان بھیدیوں نے بہت نقصان پہنچایا۔ بہت مسلمان شہید کرائے۔ اور انعام میں جاگیریں حاصل کیں — ہاں تو اسی طرح پرنس داراب کے دادا جان کو یہ جاگیر اور حویلی ملی — وہ اس حویلی میں رہا کرتے تھے — ایک دن اتفاق سے یا جان بوجھ کر — ان کے ہاتھوں ان کا ایک ملازم مارا گیا — وہ ان کے کمرے میں ہی مسہری پر گر کر دم توڑ گیا — اس جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے انھوں نے اس کے بھائی باروتان کو حویلی دے دی — اور حویلی کو خالی کر کے اپنی جاگیر میں جا کر رہنے لگے — یہ واقعہ سن کر اور تصویر کے بارے میں معلومات ہونے پر ہم نے نتیجہ نکالا کہ حویلی اور تصویر کو خریدنے کی ضرورت داراب خاندان کو ہی ہو سکتی ہے — تاکہ بدنامی سے بچ سکیں — اور باروتان کو بھی ختم کر دیا گیا تاکہ وہ ان کے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتا سکے — کیوں مسٹر سلطان داراب اور پرنس داراب — یہی بات تھی نا؟" انسپکٹر جمشید یہاں

ل کر خاموش ہو گئے۔

"گ — کیا مطلب — کیا آپ ہمیں مجرم خیال کر رہے ہیں؟"

ر سلطان داراب اچھل پڑے — پرنس بھی سکتے میں آ گیا۔

"آخر ان حالات میں آپ کو مجرم کیوں نہ سمجھا جائے؟" محمود نے کہا۔

"نہیں — ہم مجرم نہیں ہیں — اگر ہمیں معلوم ہو جاتا کہ یہاں ہمیں مجرم ثابت کرنے کی کوشش کی جائے گی تو ہم اپنے وکیل کو ساتھ لاتے۔"

"گھبرانے کی ضرورت نہیں — آپ کو وکیل کی خدمات حاصل کرنے کا پورا پورا موقع دیا جائے گا — لیکن ابھی میں نے بات مکمل نہیں کی — پہلے پوری بات سن لیں — آپ کے بعد ہمارا شک مسٹر عدیل پر گیا — یہ آپ کے شدید مخالف ہیں — اگرچہ ان کے نظریات بہت اچھے ہیں — تاہم مخالف ہیں — یہ اس قسم کا چکر چلا سکتے تھے تاکہ آپ لوگوں کی نظروں میں بدنام ہو جائیں اور کہیں کے نہ رہیں — اور پھر مزے کی بات یہ کہ پروفیسر صاحب اور ان کے ساتھی برآمد بھی ان کے گھر کے بالکل پاس سے ہوئے — اس لیے ہم نے نتیجہ نکالا کہ یہ سب کیا دھرا مسٹر عدیل کا ہے۔"

"ن — نہیں — نہیں" عدیل نے کانپ کر کہا۔

"بہرحال ہماری نظروں میں دوسرے نمبر پر آپ مجرم ہو سکتے تھے — اس لیے ہم نے آپ کو برابر نظروں میں رکھا اور آپ کی نگرانی کرائی جاتی رہی۔"

"اوہ!" اس کے منہ سے نکلا — چہرے پر خوف دوڑ گیا — ایسے میں انسپکٹر جمشید کی آواز ابھری:

"لیکن ہم نے تفتیش صرف آپ تک نہیں رکھی — کالو بدمعاش اور جاوید دادا کو بھی نظروں میں رکھا — کہ کہیں یہ ساری شرارت ان کی یا اس قسم کے کسی اور آدمی کی نہ ہو — آخر میں نے مجرم کو پھانسنے کے لیے ایک جال پھیلایا اور مجرم میرے جال میں پوری طرح پھنس گیا۔"

"جی — کیا مطلب — پھنس گیا — کیا آپ اسے گرفتار کر چکے ہیں؟" ابرام خان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں مجرم کو گرفتار کرنے میں کبھی جلدی نہیں کرتا — اس کے گرد اپنا جال مکمل کرتا چلا جاتا ہوں — اور میں ایسا ہی کرتا رہا — اسے پوری طرح پھانسنے کے لیے میں نے آپ کو اشارہ کیا کہ آپ حویلی کو باقاعدہ فروخت کریں، اور جتنے بھی خواہش مند ہوں، ان سب کو بلا لیں — اس طرح خریدار آپ کے ہاں جمع ہوئے اور مسٹر گردھاری لال نے بڑھ چڑھ کر بولی دے ڈالی — لہذا بولی ختم ہو گئی —

ان کی ہو گئی — لیکن ابھی تصویر کا معاملہ رہتا تھا — گردھاری
جانتے تھے کہ تصویر جس شخص کے پاس ہے — اس
اتنی رقم نہیں ہے — ورنہ وہ خود حویلی خریدتا — لہذا
ان سے ضرور رابطہ قائم کرے گا — تاکہ تصویر فروخت
کے — بغیر حویلی کے تصویر کسی کام کی نہیں تھی اور
تصویر کے حویلی بے کار تھی — یہی بات ان لوگوں کے
یاں مشہور کی گئی تھی — کیوں پروفیسر صاحب!" انسپکٹر
اچانک پروفیسر داؤد صاحب کی طرف گھوم گئے۔

جی — کیا مطلب؟" پروفیسر داؤد زور سے اچھلے —
کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں — جب کہ انسپکٹر جمشید
ر انداز میں مسکرا رہے تھے۔

"آپ اتفاقیہ طور پر آرٹ گیلری نہیں گئے تھے — بلکہ
نامعلوم آدمی نے آپ کو فون کیا تھا — یہ کہ پراسرار
ر گیلری میں موجود ہے۔"

"ہاں جمشید — یہ ٹھیک ہے۔"

"اور مسٹر گردھاری لال — آپ کو بھی تصویر اور حویلی
کے بارے میں کسی نامعلوم آدمی نے فون کیا ہوگا۔"

"ہاں آ — یہی بات ہے —" گردھاری لال نے اٹک
کر کہا۔

"سیٹھ تنویر اور اجمل کھنڈو صاحب — آپ کیا کہتے ہیں:"

"ہمیں بھی فون کیے گئے تھے:"

"بہت خوب — کوئی نامعلوم آدمی بہت زور شور سے یہ بات مشہور کر رہا تھا کہ حویلی میں کھربوں روپے کا خزانہ ہے — اور اس کا ثبوت وہ تصویر ہے — جس کی وجہ سے پروفیسر داؤد صاحب جیسے آدمی کو اغوا کر لیا گیا — کیوں ٹھیک ہے نا —"

"ہاں! بالکل ٹھیک ہے:"

"بس جناب کیس مکمل ہو گیا:" انسپکٹر جمشید ڈرامائی انداز میں بولے۔

"جی کیا مطلب — کیس مکمل ہو گیا — لیکن ابھی آپ نے یہ کب بتایا ہے کہ مجرم کون ہے:" سیٹھ گردھاری لال نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"اب بتانے کے لیے رہ بھی کیا گیا ہے — سب کچھ تو بتا چکا ہوں:"

"حیرت ہے — تو کیا آپ جس وقت بتا رہے تھے ہم سب سو رہے تھے:" محمود بولا۔

"خیر — اگر بات اب تک سمجھ میں نہیں آئی تو میں مزید وضاحت کر دیتا ہوں —"

بہت بہت شکریہ — یہ ٹھیک رہے گا:"

اس کیس میں دو تین باتیں بہت غور طلب ہیں — پہلی تو یہ کہ اگر سلطان داراب کے والد نے قتل کی کوئی واردات کی تھی تو اب اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد وہ واقعہ ان کی بدنامی کا باعث کس طرح بن سکتا ہے — کیونکہ دونوں فریق صلح کر چکے تھے — اور اس سلسلے میں مقتول کے گھرانے نے قاتل سے حویلی وصول کر لی تھی — گویا کوئی خاص بدنامی ان کے پیچھے پڑنے کا کوئی امکان نہیں تھا — لہٰذا دوسری وجہ خزانہ ہی ہو سکتی ہے — جس کو حاصل کرنے کے لیے یہ خاندان بے چین ہو سکتا تھا — لیکن یہاں بھی ایک بڑی الجھن سامنے آتی ہے — اور وہ یہ کہ حویلی اصل میں تو داراب خاندان کی تھی — سر سلطان داراب کے باپ داراب نے اگر کوئی خزانہ اس حویلی میں بہت ہی خفیہ طریقے سے چھپایا تھا — اس قدر خفیہ کہ حویلی کو خریدے بغیر اس میں سے نکالا ہی نہیں جا سکتا تھا اور وہ خزانہ تھا بھی کھربوں روپے کا تو پھر — داراب خاندان کے اس بزرگ نے اپنی اولاد کو اس خزانہ کے بارے میں کیوں نہیں بتایا تھا — یعنی غیروں کو تو اس کے بارے میں معلوم تھا

اور داراب خاندان کو معلوم نہیں تھا۔ انھیں اس وقت
معلوم ہوا جب تصویر والا چکر چلا۔ ایک اور بات ہے
کہ آخر تصویر حویلی میں کہاں سے آ گئی۔ ظاہر ہے
داراب خاندان تو ایسی تصویر بنوا کر حویلی میں رکھ نہیں
سکتا تھا۔ کیوں ٹھیک ہے نا۔"

"جی ہاں۔ بالکل۔" پرنس نے فوراً کہا۔

"اس کا مطلب ہے۔ تصویر کسی اور نے بنائی اور
حویلی میں رکھ دی، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیوں۔
اس شخص کو ایسا کرنے سے کیا فائدہ ہو سکتا تھا۔ تصویر
بنوا کر یا بنا کر وہاں رکھنے کی اسے ضرورت کیا تھی
جب ہم اس سوال پر غور کرتے ہیں۔ تو اس کا کوئی
فائدہ بھی نظر نہیں آتا۔ لیکن بات یہ نہیں۔ بات
دراصل یہ ہے کہ ایسا کرنے سے اسے زبردست قسم
کا فائدہ پہنچ سکتا تھا۔ اور اس نے یہ فائدہ اٹھانے
کے لیے یہ تصویر بنا کر وہاں رکھ دی۔"

"لیکن کس نے۔ ایسا کس نے کیا اور اس کو کیا
فائدہ پہنچ سکتا تھا۔" ابرام خان نے حیرت زدہ انداز
میں کہا۔

"اس نے قتل کی کہانی باردتان سے سن لی تھی۔

اور وہاں سے ایک منصوبے نے اس کے شیطانی ذہن میں
جنم لیا۔ اس نے سوچا۔ اس حویلی کو پُراسرار رنگ دیا
جا سکتا ہے۔ بلکہ رنگ دینا بہت آسان کام ہو گا۔
لہٰذا اس نے وہ تصویر بنائی۔ بنا کر حویلی کے ایک
کمرے کے آتش دان پر رکھ دی۔ اس کے منصوبہ کے
عین مطابق تصویر وہاں سے آرٹ گیلری پہنچ گئی۔
آرٹ گیلری سے پروفیسر داؤد صاحب نے خرید لی۔ کیونکہ
فون پر انھیں پہلے ہی بتا دیا گیا تھا کہ تصویر پراسرار
ہے۔ لہٰذا وہ اس کا بغور جائزہ لینے پر مجبور ہو گئے۔
اور آخر اس کے فریم میں انھیں نقشہ اور دوسری معلومات
تحریر شدہ مل گئیں۔ فوراً ہی انھیں اغوا کر لیا گیا۔
ان کے اغوا کے ساتھ ہی تصویر کی کہانی بھی اخبارات
میں آ گئی۔ اس طرح دولت مند لوگ حویلی میں دلچسپی
لینے پر مجبور ہو گئے۔ تصویر کی تفصیلات پڑھ کر داراب
خاندان بھی ادھر متوجہ ہو گیا۔ انھیں کسی خزانہ کے بارے
میں پتا نہیں تھا۔ لیکن انھوں نے سوچا۔ ہو سکتا ہے۔
ان کے بزرگ کو اپنی اولاد کو خزانے کے بارے میں
بتانے کا موقع نہ ملا ہو۔ بس یہی سوچ کر وہ بھی
حویلی خریدنے پر تل گئے۔ اس طرح حویلی کی بولی دی

گئی — جو سیٹھ گردھاری لال کے نام تھی — سیٹھ گردھاری لال سے اس پر اسرار شخص نے رابطہ قائم کیا — تاکہ تصویر بھی ان کے حوالے کر دی جائے — لیجیے، ایک بار پھر میں نے تمام تر تفصیلات بتا دیں۔"

"لیکن یہ آپ نے اب تک نہیں بتایا کہ وہ پراسرار آدمی ہے کون جس نے یہ سارا چکر چلایا ہے۔" ابرام خان نے منہ بنا کر کہا۔

"وہ پُراسرار آدمی مسٹر ابرام خان — آپ ہی تو ہیں۔"

"کیا!!! — نہیں!!"

وہ سب ایک ساتھ چلّائے — ان الفاظ کے ساتھ ہی ایک زور دار دھماکا ہوا اور کمرہ دھوئیں سے بھر گیا — انھوں نے اندازے سے ابرام خان کی طرف چھلانگیں لگائیں — اور ایک دوسرے سے بُری طرح ٹکرا گئے — پھر انھیں بے ہوش بھی ہونا پڑا —

ہوش میں آئے تو مجرم غائب تھا اور وہ سب اسی کمرے میں ادھر ادھر بکھرے پڑے تھے۔

"بہت چالاک نکلا۔" محمود نے منہ بنا کر کہا۔

"افسوس! ہم نے احتیاط نہیں کی۔" فرزانہ نے کہا۔

"ابا جان نے اس قدر اچانک انکشاف کیا کہ ہم

بھی حیرت زدہ رہ گئے اور اسے دھوئیں کا بم پھینکنے کا موقع مل گیا — ہم جمع بھی تو اس کے گھر میں تھے — وہ پہلے ہی انتظام کر چکا تھا۔" فاروق جلدی جلدی بولا۔

"اب کیا ہو گا — اسے کہاں تلاش کرتے پھریں گے۔" محمود بڑبڑایا۔

"فکر کی ضرورت نہیں — اگر میں نے یہ جان لیا تھا کہ وہ مجرم ہے — تو اس کے بارے میں اور بھی بہت معلومات حاصل کر لی تھی — لہٰذا وہ بچ نہیں سکتا۔"

"اس کا مطلب ہے — حویلی کے نیچے — کوئی خفیہ خزانہ موجود نہیں ہے — یہ سب اس کا دھوکا تھا — ایک بہت بڑی رقم کمانے کا منصوبہ تھا۔" خان رحمان بولے۔

"ہاں! بالکل۔"

"ارے باپ رے — سیٹھ گردھاری لال نے چلّا کر کہا — پھر وہ دھڑام سے گرا اور بے ہوش ہو گیا —

"ارے — ارے — سیٹھ صاحب — آپ کو بے ہوش ہونے کی ضرورت نہیں — اتنی بڑی رقم لے کر بھلا وہ کہاں جا سکے گا — ہاں اس کا منصوبہ فیل نہ ہوتا تو اور بات تھی۔"

"اس کا مطلب ہے — میری رقم مجھے مل جائے گی۔" سیٹھ گردھاری لال نے یک دم ہوش میں آتے ہوئے کہا۔

کچھ نہیں کہا جا سکتا — ہم اب اس کی طرف جا رہے ہیں —
بھی ہمارے ساتھ چل سکتے ہیں۔"

"تو کیا — وہ رقم کیش کرا چکا ہے۔" فرزانہ کانپ گئی۔

"ہاں! بالکل۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کمال کا آدمی ثابت ہوا۔"

"وہ کوئی اناڑی مجرم نہیں ہے — بہت پرانا جرائم پیشہ ہے —
یہ منصوبہ اس نے نہ جانے کتنی مدت تک سوچنے کے بعد تیار
کیا تھا — غضب کا آرٹسٹ بھی ہے — اور پہلی بار اس پر
مجھے شک اس وقت ہوا تھا جب یہ معلوم ہوا کہ خود
وہ بھی آرٹسٹ ہے۔"

"اوہ!" وہ حیران رہ گئے۔

"لیکن آپ کو کیا معلوم — وہ کہاں گیا ہے؟"

"چند دن سے اس کی نگرانی نہایت خفیہ انداز سے ہوتی
رہی ہے — میں جانتا ہوں — اس وقت وہ کہاں ہو گا —
نگرانی کرنے والے فرار کے وقت بھی عمارت کے باہر موجود
ہوں گے — کیونکہ میں نے انھیں اپنے پروگرام کے بارے
میں کچھ نہیں بتایا تھا — انھیں صرف یہ ہدایت تھی کہ وہ کسی
وقت بھی نگرانی ترک نہ کریں — اگر وہ کسی عمارت میں داخل
ہو تو عمارت کو چاروں طرف سے نظر میں رکھا جائے۔"

"بہت خوب — تب تو — وہ کہیں نہیں گیا۔"

"یہی تو میں نے کہا تھا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

اور پھر وائرلیس پر انھوں نے نگرانی کرنے والے سے
رابطہ قائم کیا — دوسری طرف سے ایک عمارت کا پتا بتایا گیا۔
وہ فوراً وہاں پہنچے — لیکن جونہی ان کی گاڑی عمارت کے سامنے
رکی — انھوں نے عمارت سے ہلکا دھواں اٹھتے دیکھا —

"ہائیں — عمارت سے دھواں اٹھ رہا ہے — کیا وہ کھانا
پکا رہا ہے۔"

"ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔"

اسی وقت دو سادہ لباس والے ان کے نزدیک پہنچ گئے۔

"یہ دھواں سا کیسا ہے بھئی؟"

"غالباً اس نے کوئی چیز جلائی ہے۔"

"اس نے یہاں سے فرار ہونے کی کوشش تو نہیں کی؟"

"جی نہیں — اندر داخل ہونے کے بعد اس نے دروازہ
بند کر لیا تھا اور بس — پھر نہ کسی کھڑکی سے جھانک کر
دیکھا — نہ باہر نکلا۔"

"ٹھیک ہے — آگے بڑھ کر دستک دو۔" وہ بولے۔

سادہ لباس والے نے دستک دی — ایک منٹ بعد دروازہ
کھلا اور ابراہم خان کا مسکراتا چہرہ نظر آیا — وہ انھیں دیکھ کر

ذرا بھی نہ چونکا — بلکہ پراسرار انداز میں مسکرایا:

"میں آپ لوگوں کا ہی انتظار کر رہا تھا — میں سمجھ گیا تھا کہ میری باقاعدہ نگرانی ہوتی رہی ہے اور میں جہاں بھی جاؤں گا — آپ وہاں پہنچ جائیں گے۔"

"تب پھر وہاں سے فرار ہونے کی کیا ضرورت تھی؟"

"ایک ضروری کام کرنے کے لیے یہاں آنا ضروری تھا۔" اس نے کہا۔

"ضروری کام — کیا مطلب؟"

"آیئے میرے ساتھ۔"

وہ چوکس انداز میں اندر داخل ہوئے — اکرام کا ہاتھ پستول کے ٹریگر پر تھا — وہ انھیں ایک صحن میں لے آیا — یہاں کاغذات کا ایک بہت بڑا ڈھیر جل رہا تھا — وہ ٹھٹکتے ہیں آ گئے — وہ کاغذات نہیں — کرنسی نوٹ تھے — وہ تمام نوٹ جو اس نے سیٹھ گردھاری لال سے حاصل کیے تھے —

"یہ — یہ تم نے کیا کیا۔" انسپکٹر جمشید چلائے۔

"جو دولت مجھے نہیں مل سکی — وہ کسی دوسرے کو بھی کیوں ملے — اور پھر اس نے کونسی دولت محنت سے کمائی تھی؟"

اس نے نفرت زدہ انداز میں سیٹھ گردھاری لال کی طرف دیکھا —

جونہی سیٹھ گردھاری لال کو یہ معلوم ہوا کہ جلنے والی چیز نوٹ تھے — وہ تڑ سے گرا، اور ایک بار پھر بے ہوش ہو گیا — وہ اس پر جھک گئے — انسپکٹر جمشید جھک کر سیدھے ہوئے تو بولے:

"اس بار کی بے ہوشی ابدی بے ہوشی بن گئی ہے بھئی۔"

"جی — کیا مطلب؟"

"ہارٹ فیل ہو گیا۔"

"اوہ!" انھوں نے دیکھا — واقعی سیٹھ گردھاری لال کا جسم بے جان ہو چکا تھا — اور آگ بلند ہوتی جا رہی تھی ——

Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3

آئندہ ناول کی ایک جھلک

15واں خاص نمبر

محمود، فاروق، فرزانہ، انسپکٹر جمشید

آفتاب، آصف، فرحت، انسپکٹر کامران مرزا

اور شوکی برادرز کی مشترکہ مہم

ژابنائے مہم

(تیسرا اور آخری حصہ)

مصنف: اشتیاق احمد

☆ آئندہ ماہ آپ ژابنائے مہم کا آخری حصہ پڑھیں گے۔

☆ ایک زبردست جوڑ توڑ والا ناول..... اب آخری مراحل میں۔

☆ انہیں ایک عجیب غار میں قید ہونا پڑا۔

☆ غار کا مالک ان کے ساتھ چال چلنا چاہتا تھا۔

☆ سپر پاور زیادہ با اختیار ہے یا روحل وغیرہ۔ یہ سوال بھی آپ کے ذہنوں میں ابھرے گا۔

☆ پھر جب سپر پاور کی باگ ڈور محمود اور آصف کے ہاتھ میں آئی۔

☆ وناس جیسے ملک میں ایک علاقہ آسیب زدہ بھی تھا..... وہ اس علاقے میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو گئے۔

☆ قدم قدم پر خون ریز مقابلے، لڑائیاں اور جنگیں۔

☆ ساتھ میں ان کی باتوں کی جنگ، نوک جھوک کی فائرنگ، موت کے لمحات بھی ان کی شگفتگی نہ چھین سکے۔

☆ محاورات اور ضرب الامثال کا میدان کارزار جب گرم ہوا۔

☆ مہم کے دوران وناس کے چند باشندے بھی ان کے ساتھی بننے پر مجبور ہو گئے۔

☆ ناول کے آخری لمحات آپ کے لیے سنسنی خیز ثابت ہوں گے۔

☆ قدم قدم پر آپ کا دل دھڑکے گا۔

☆ مجرم کا جال ان کے گرد مضبوط تھا۔

☆ انسپکٹر جمشید اس جال کو کس طرح تار تار کرتے ہیں، لیکن.....

☆ لیکن اس کے باوجود..... پوری طرح فتح یاب ہونے کے باوجود جب پانسہ پلٹا..... اور ایک بار پھر بازی مجرم کے ہاتھ آئی..... تو..... ان پر کیا بیتی..... بلکہ اس وقت آپ پر کیا بیتے گی۔

☆ ایک انوکھا ناول۔

20 دسمبر 96ء کو پڑھیں

قیمت: 36 روپے

انداز پبلی کیشنز۔ 3۔ عابد مارکیٹ، بجوار شادمان روڈ، سادہ کلاں، لاہور۔